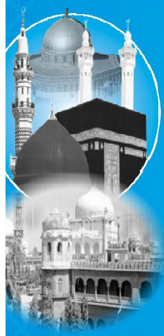
یا اللہ مدد | عقیدہ حیات النبی ﷺ زندہ باد | شانِ رسالت ﷺ زندہ باد | اصلی کلمہ اسلام: لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ | شانِ صحابہ رضی اللہ عنہم زندہ باد | مقام امام اعظم ابو حنیفہ زندہ باد | حق چار یار رضی اللہ عنہم



مجلہ صفدر

اکابرین اہل سنت (دیوبند) بالخصوص شیخ العرب والعجم حضرت مولانا حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ کے افکار و نظریات کا بے باک ترجمان

اپریل / مئی 2023ء — رمضان / شوال ۱۴۴۴ھ

146—147

عقیدہ خلافت راشدہ ''ضروریاتِ اہل سنت'' میں سے ہے:

''عقیدہ خلافت راشدہ موعودہ فی القرآن'' کو اکابر اہل سنت نے ''ضروریاتِ اہل سنت'' میں شمار کیا ہے۔ یعنی اہل سنت اور راہِ نجات والے طبقہ میں شمولیت کے لیے اِس عقیدہ کو جاننا اور ماننا لازم ہے۔ اور اِس عقیدہ سے لاعلمی یا اس کا اِنکار انسان کو اہل سنت خارج کر دیتا ہے۔ لہٰذا سنی عوام کے لیے ضروری ہے کہ وہ اہتمام سے یہ عقیدہ خود بھی سمجھیں اور اپنے اہل خانہ و متعلقین کو بھی سمجھائیں۔ [عقیدہ خلافت راشدہ کی شرائط: ۱۸]

☆......☆......☆......☆

قائد اہل سنت مولانا قاضی مظہر حسینؒ تو اِس قدر محتاط تھے کہ اگر کسی عالم کے بارے میں یہ معلوم ہو جاتا کہ وہ مماتیوں کے اسٹیج پر بھی جاتے ہیں تو اُنھیں اپنے جماعتی اسٹیج پر نہیں آنے دیتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے ہمارے والد محترم کو باقاعدہ خط لکھا تھا کہ تحریک خدام اہل سنت کے اجتماعات میں مولانا زاہد الراشدی کی شرکت درست نہیں ہے۔ اِس کی جہاں اور وجوہات تھیں وہاں یہ وجہ بھی تھی کہ مولانا زاہد الراشدی مماتیوں کے اسٹیج پر بھی بلا جھجک چلے جاتے ہیں۔ (اَب تو وہ خیر سے شیعوں کے یہاں بھی بے دھڑک چلے جاتے ہیں۔) [فتویٰ بنوری ٹاؤن اور اشاعتی گروہ: ۴]

بیاد

محدثِ عرب و عجم آبروئے دیوبند امام اہل السنۃ والجماعۃ

شیخ الحدیث حضرۃ مولانا محمد سرفراز خان صفدر نور اللہ مرقدہ

تلمیذ رشید حضرت حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ

خلیفہ مجاز: امام الموحدین رئیس المفسرین حضرۃ مولانا حسین علی نور اللہ مرقدہ

بفیضان

مظہر شریعت و طریقت قائد اہل سنت وکیل صحابہ

حضرۃ مولانا قاضی مظہر حسین نور اللہ مرقدہ

تلمیذ رشید و خلیفہ مجاز شیخ العرب والعجم حضرت مولانا حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ

مظہریہ دار المطالعہ جہلم سوہاوہ

0312 4612774 0334-4612774

khadim.khan4@yahoo.com

یا اللہ مدد

عقیدۂ حیات النبی ﷺ زندہ باد

شانِ رسالت ﷺ زندہ باد

اصلی کلمۂ اسلام لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰہِ

مقامِ صحابہؓ زندہ باد

مقامِ امام اعظم ابوحنیفہؒ زندہ باد

حق چاریارؓ

بیاد

محدثِ عرب وعجم آبروئے دیوبند امامِ اہلِ سنت تلمیذ حضرت مدنی شیخ الحدیث

حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر نور اللہ مرقدہ

تلمیذ رشید وخلیفہ مجاز

امام الموحدین رئیس المفسرین حضرت مولانا حسین علی نور اللہ مرقدہ

اکابر اہلِ سنت (دیوبند) بالخصوص

شیخ العرب والعجم حضرت مولانا

سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ

بفیضان

مظہر شریعت وطریقت قائد اہلِ سنت وکیلِ صحابہؓ

حضرت مولانا قاضی مظہر حسین نور اللہ مرقدہ

تلمیذ رشید وخلیفہ مجاز

شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ

کے افکار ونظریات کا بے باک ترجمان

مجلّہ صفدر

بیاد

مفسرِ قرآن ولی کامل حضرت مولانا صوفی عبد الحمید خان سواتی نور اللہ مرقدہ

فقیہ العصر ترجمان اہلِ سنت دیوبند حضرت مولانا مفتی عبد الشکور ترمذی نور اللہ مرقدہ

شیخ المشائخ امام الاولیاء حضرت مولانا خواجہ خان محمد نور اللہ مرقدہ

فخرِ اہلِ سنت وکیلِ صحابہ حضرت مولانا عبد اللطیف جہلمی نور اللہ مرقدہ

حکیم العصر شہیدِ اسلام حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید نور اللہ مرقدہ

امینِ ملت مناظرِ اسلام حضرت مولانا محمد امین صفدر اوکاڑوی نور اللہ مرقدہ

پاسبانِ مسلکِ احناف شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد حنیف نور اللہ مرقدہ

ترجمانِ مسلکِ اہلِ سنت دیوبند حضرت مولانا نور محمد تونسوی نور اللہ مرقدہ

وکیلِ صحابہؓ حضرت مولانا علامہ علی شیر حیدری شہید نور اللہ مرقدہ

جانشین شہیدِ اسلام محقق العصر سعید احمد جلالپوری شہید نور اللہ مرقدہ

بدعا

وکیلِ صحابہ حضرت مولانا عبد الستار تونسوی نور اللہ مرقدہ

حکیم العصر شیخ الحدیث حضرت مولانا عبد المجید لدھیانوی نور اللہ مرقدہ

سرپرست

پیر طریقت شیخ الحدیث حضرت مولانا

حبیب الرحمٰن سومرو صاحب مدظلہ

نگران

وکیل احناف مناظر اسلام حضرت مولانا

مفتی محمد انور اوکاڑوی صاحب حفظہ اللہ

مدیرِ اعلیٰ

مولانا جمیل الرحمٰن عباسی

0301-7790908

مدیر مسئول

مولانا احسن خدامی

0320-4902150

مدیر

حمزہ احسانی

0307-5687800

فی شمارہ 100 زرِ سالانہ 600

برائے رابطہ: مکان نمبر 4 گلی 82 محمود سٹریٹ محلہ سردارپورہ، اچھرہ لاہور 0312-4612774

فہرست

اعلان: مجلّہ صفدر شمارہ نمبر 139 تا 142 (ستمبر تا دسمبر ۲۰۲۲ء......صفر تا جمادی الاولیٰ ۱۴۴۴ھ) چار ماہ کا شمارہ ایک اہم عنوان پر مختصر خصوصی اِشاعت کے لیے مختص کیا گیا ہے۔ جس کے مضامین تاحال زیر تکمیل ہیں۔ مضامین کی تکمیل کے بعد اِن شاءاللہ شائع کیا جائے گا۔ جبکہ زیر نظر شمارہ (146 تا 147 ......اپریل رمئی ۲۰۲۳ء...... رمضان رشوال ۱۴۴۴ھ) دو ماہ کی اشاعت پر مشتمل ہے۔ آئندہ شمارہ جون ۲۰۲۳ء......ذوالقعدہ ۱۴۴۴ھ کا ہوگا۔ ان شاءاللہ

ادارہ صفدر

مولانا احسان الحق چاریاری، نواب شاہ

مولانا مفتی محمد رضوان کی تحریرات میں اعتدال نہیں ہے!

مجلّہ ''صفدر'' کے گزشتہ شمارہ (جنوری تا مارچ ۲۰۲۳ء) کے لیے برادرِ مکرم مولانا حمزہ احسانی حفظہ اللہ کی لکھی گئی تحریر ''زیرِ تعمیر مجتہد مولانا مفتی محمد رضوان ادارہ غفران پنڈی والے'' پڑھی تو یاد آیا کہ آج سے چند سال قبل بندہ نے مولانا حمزہ احسانی سے پوچھا تھا کہ مفتی رضوان صاحب پنڈی والے کیسے آدمی ہیں؟ ان کی تحریرات وتصنیفات پر اعتماد کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟ غالبًا اُس وقت مروجہ مجالس ذکر کے حوالے سے مفتی رضوان صاحب کی کوئی تحریر اور التبلیغ کے چند شمارے نظر سے گذرے تھے، اور فتنہ علوی مالکی سلسلے سے وابستہ ایک صاحب کی کتاب میں مفتی رضوان صاحب پر تنقید بھی شاید اُس وقت دیکھ چکا تھا۔ بندہ کے استفسار کے جواب میں مولانا حمزہ احسانی نے کہا کہ مجھے مفتی رضوان صاحب سے زیادہ تعارف نہیں ہے، آپ ایسا کریں حضرت مولانا مفتی محمد انور اوکاڑوی مدظلہم سے پوچھ لیں، پھر مجھے بھی بتائیں کہ وہ کیا فرماتے ہیں۔

چنانچہ بندہ نے بذریعہ فون حضرت مفتی محمد انور اوکاڑوی دامت برکاتہم سے رابطہ کیا اور اُن سے مفتی رضوان صاحب کے بارے میں پوچھا تو اُنہوں نے فرمایا کہ: اُن میں اعتدال نہیں ہے۔

بعد میں جب مفتی رضوان صاحب کی مختلف عجیب وغریب تحقیقات اور نئی نئی ترجیحات سامنے آئیں تو خوب یقین ہو گیا کہ حضرت مفتی انور صاحب دام ظلہ نے جو فرمایا تھا، وہ بالکل درست اور حق ہے۔ اَب جبکہ مفتی رضوان صاحب بڑے زور وشور سے اپنے تحریرات کے ذریعہ اہل تشیع کو تقویت وفائدہ پہنچا رہے ہیں تو بندہ نے یہ ضروری سمجھا کہ قارئین ''صفدر'' کو مفتی رضوان صاحب کے بارے میں حضرت مفتی محمد انور اوکاڑوی زید قدرہ کی رائے گرامی سے آگاہ کر دے۔

بندہ جملہ اہل اسلام خصوصاً برادرانِ اہل سنت سے گزارش کرتا ہے کہ جو حضرات چودہ سو سالہ علمائے اہل سنت کی تحقیقات کے مطابق مذہبِ اہل سنت' مسلکِ احناف اور مشربِ دیوبند سے اپنے آپ کو وابستہ وپیوستہ رکھنا چاہتے ہیں، وہ مفتی محمد رضوان صاحب کی تحریرات وتحقیقات کو ہرگز قابل اعتماد نہ سمجھیں۔ اُن کی تحریرات میں بہت سی چیزیں جمہور اکابر اہل سنت دیوبند کی تحقیقات کے بالکل خلاف ہیں۔

اللہ تعالیٰ مفتی رضوان صاحب کی بے اعتدالیوں سمیت ہر قسم کی بے اعتدالیوں سے اُمتِ مسلمہ کی حفاظت فرمائیں۔ آمین ثم آمین ☆☆☆☆

پیامِ صفدر (اداریہ) مدیر کے قلم سے

بنوری ٹاؤن کا فتویٰ اور جمعیۃ اشاعۃ التوحید والسنۃ (مماتی گروہ)

مجھ سے یہاں کے علماء نے اجازتِ حدیث طلب کی ہے، آپ میں سے جو حضرات عقیدہ حیات النبی کے قائل ہیں، اُنھیں میں اجازتِ حدیث دیتا ہوں...!!

ایک مرتبہ میں اپنے والد ماجد شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ کے پاس موجود تھا، اُن دنوں پاکستان میں (کچھ حضرات کے اِنکارِ حیات النبی کی وجہ سے) یہ مسئلہ زیر بحث تھا، والد صاحب کے پاس پاکستان سے کسی صاحب کا خط آیا ہوا تھا جس میں اُنہوں نے بیعت کی درخواست کی تھی، حضرت نے جواب میں لکھا کہ: آپ کے ہاں مسئلہ حیات النبی زیر بحث ہے، اگر آپ حیات النبی کے قائل ہیں تو میں آپ کو بیعت کرتا ہوں....!!

شیخ الاسلام حضرت مدنی رحمہ اللہ کے فرزند ارجمند حضرت مولانا سید ارشد مدنی دام ظلہ کی یہ گفتگو بندہ نے اُن کی پاکستان تشریف آوری کے موقع پر اُن کے بیان میں سنی۔ جس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اکابر اہل سنت دیوبند عقیدہ حیات النبی کے حوالے سے کس قدر حساس اور محتاط تھے۔

حضرت امام اہل سنت اور فرقہ مماتیت (جمعیۃ اشاعۃ التوحید والسنۃ)

بندہ کے جد امجد امام اہل سنت مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ بھی حیات النبی کے منکرین (مماتیوں) کو اجازتِ حدیث نہیں دیا کرتے تھے۔ نہ ہی اُن کے ہاں جلسہ وغیرہ میں شرکت کرتے تھے۔ بلکہ اگر کوئی دھوکے سے اُن سے اپنے مدرسہ کے لیے وقت لے چکا ہوتا، اور آپ کو معلوم ہو جاتا کہ وہ مماتی ہے تو جانے سے صاف انکار فرمادیتے تھے۔ جامعہ عثمانیہ رحیم یار خان کے مولانا یوسف کے ساتھ اِس قسم کی صورتِ حال پیش آچکی ہے، اُنہوں نے اپنے آپ کو ’’حیاتی‘‘ ظاہر کرتے ہوئے حضرت سے اپنے مدرسہ کے لیے وقت لے لیا، لیکن بعد میں حضرت کو معلوم ہوا کہ وہ ’’مماتی‘‘ ہیں، حضرت نے اُن سے وضاحت طلب کی اور فرمایا کہ: عقیدہ حیات النبی پر مشتمل یہ تحریر ہے، آپ اِس پر تائیدی دستخط کردیں۔ تاکہ آپ کے حیاتی ہونے کا یقین ہوجائے۔ لیکن وہ عقیدہ حیات النبی پر دستخط کے لیے تیار نہیں ہوئے تو حضرت نے ان کے ہاں جانے سے انکار کردیا۔ اُسی موقع پر اُن کے مدرسہ کے سامنے سے گزرتے ہوئے ہمارے چاچو نے مزاحاً حضرت امام اہل سنت سے عرض کیا کہ: ’’یہ مولوی یوسف صاحب کا مدرسہ ہے؟ آپ نے جانا ہے؟‘‘ تو اپنے مخصوص انداز میں نفی کا اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: نہیں! اُس وقت بندہ بھی ہمراہ تھا۔

اِسی طرح حضرت امام اہل سنت کے ہاں اجازتِ حدیث لینے کے لیے آنے والے کسی صاحب

کے بارے میں یہ معلوم ہو جاتا کہ مماتیوں کے مدرسہ کے فاضل ہیں تو سند دینے سے انکار کر دیتے ہیں۔ بلکہ بعض اوقات تو فوراً اُن صاحب کو وہاں سے روانہ کرنے کا کہہ دیتے تھے۔ حضرتؒ خود لکھتے ہیں:

''سید عنایت اللہ شاہ صاحب بخاری سے قبل، از شرق تا غرب، از شمال تا جنوب پوری امت میں کوئی شخص ایسا نہیں گزرا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عند القبر صلوۃ وسلام کے سماع کا منکر ہو۔....اور اس عقیدے والا بدعتی بھی ہے اور اہل السنۃ والجماعۃ سے بھی خارج ہے اور اس کے پیچھے نماز بھی مکروہ ہے۔''

[مکتوب بنام قاضی شمس الدینؒ، مطبوعہ افادات امام اہل سنت: ۴۵/۷]

''جناب سید عنایت اللہ شاہ صاحب بخاری گجراتی عند القبر صلوۃ وسلام کے سماع اور توسل و تشفع کے منکر ہیں اور اس مسئلہ میں ان کی راگنی ضرور جدا ہے۔ اور پوری امت میں وہ پہلے شخص ہیں جو اِس مسئلہ کے موجد ہیں۔ اور دار العلوم دیوبند کے صدر مفتی...کے فتویٰ کی رو سے....ایسے نظریہ والا شخص....اہل السنۃ والجماعۃ سے خارج اور بدعتی ہے اور اس کے پیچھے نماز مکروہ ہے۔'' [اظہار العیب: ۲۲۱]

''حیات النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور صلوۃ وسلام عند القبر کے سماع اور مسئلہ توسل میں اکابرین علماءِ دیوبند کا کوئی اختلاف نہیں۔ شاہ صاحب گجراتی اکابر سے کٹ چکے ہیں۔'' [اظہار العیب: ث]

''کچھ عرصہ سے پاکستان میں مسئلہ سماع الموتی محل نزاع بنا ہوا ہے۔ ایک طبقہ کلیۃً سماع کا انکار کرتا ہے، حتیٰ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عند القبر سماع وسلام اور استشفاع عند القبر کا بھی منکر ہے، بلکہ اس کاروائی کو شرک اور ایسا کرنے والوں کو ابوجہل کا ٹبر کہتا ہے۔ ان میں سرفہرست سید عنایت اللہ شاہ صاحب بخاری گجراتی اور سید محمد حسین شاہ صاحب نیلوی، مولانا سید احمد حسین شاہ صاحب سجاد بخاری اور مولوی احمد سعید صاحب ملتانی اور ان جیسے دیگر حضرات ہیں۔'' [**الشھاب المبین**: ۷]

''علماءِ دیوبند میں حیاتِ انبیاء کرام علیہم الصلوۃ والسلام کا منکر کوئی نہیں، اور اگر کوئی ہے تو وہ دیوبندی نہیں۔ وہ آپ لوگوں (بریلویوں) کی طرح بدعتی ہے۔'' [اتمام البرہان: ۱۵۴/۲]

حضرت امام اہل سنت رحمہ اللہ نے اپنے تلامذہ، مریدین و متعلقین کو جو نصیحت فرمائی، اُس میں یہ بھی فرمایا کہ: جو شخص اکابر اہل سنت دیوبند کے مسلک پر پوری طرح قائم رہے، وہ میرے متعلقین میں شامل ہے، اور جس کا اکابر کی اجماعی تحقیقات پر اعتماد نہ ہو، میرا اُس کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ نیز اِسی نصیحت نامہ میں ''نوٹ'' کے ذیل میں عقیدہ حیات النبی کی وضاحت کر کے بھی حضرت نے یہ فرمایا ہے کہ: جو حیات النبی کا عقیدہ رکھتا ہے، وہی دیوبندی ہے اور میرے متعلقین میں شامل ہے، جس کا یہ عقیدہ نہ ہو اُس کا میرے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ دیکھیے: ''المصطفیٰ امام اہل سنت نمبر آخری سرورق''۔

حضرت قائد اہل سنت اور فرقہ مماتیت (جمعیۃ اشاعۃ التوحید والسنۃ)

ہمارے نانا محترم قائد اہل سنت مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ تو اِس قدر محتاط تھے کہ اگر کسی عالم

کے بارے میں یہ معلوم ہو جاتا کہ وہ مماتیوں کے اسٹیج پر بھی جاتے ہیں تو اُنھیں اپنے جماعتی اسٹیج پر نہیں آنے دیتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے ہمارے والد محترم کو با قاعدہ خط لکھا تھا کہ تحریک خدام اہل سنت کے اجتماعات میں مولانا زاہد الراشدی کی شرکت درست نہیں ہے۔ اِس کی جہاں اور وجوہات تھیں وہاں یہ وجہ بھی تھی کہ مولانا زاہد الراشدی مماتیوں کے اسٹیج پر بھی بلا جھجک چلے جاتے ہیں۔ (اَب تو وہ خیر سے شیعوں کے یہاں بھی بے دھڑک چلے جاتے ہیں۔)

ایک مرتبہ مولانا مسعود از ہر ملاقات کے لیے تشریف لائے تو قائد اہل سنتؒ نے اُنہیں متوجہ فرمایا کہ آپ کے فلاں جماعتی دفتر کا ذمہ دار مماتی ہے۔ چنانچہ انہوں نے جاتے ہی تحقیق کے بعد اُسے ہٹا دیا۔

نیز ایک موقع پر غالباً جمعیۃ علماء اسلام کی طرف سے کسی اجلاس میں مماتیوں کو بھی دعوت دی گئی تو حضرت قائد اہل سنت رحمہ اللہ نے اس سے منع فرمایا۔ بعض لوگوں نے کہا کہ ختم نبوت وغیرہ کے عنوان پر بریلویوں اور غیر مقلدوں کے ساتھ بھی تو مشترکہ اجتماعات واجلاس ہوتے ہیں، پھر مماتیوں کو بلانے میں کیا حرج ہے؟ تو فرمایا: غیر مقلد اور بریلوی اپنی الگ شناخت کے ساتھ آتے ہیں، اہل سنت دیو بند کے نام سے نہیں آتے۔ جبکہ مماتی اہل سنت دیو بند سے الگ عقیدہ رکھتے ہیں، اس لیے ان کا سنیت یا دیو بندیت سے کوئی تعلق نہیں، پھر بھی اپنے آپ کو دیو بندی کہتے ہیں اور دیو بندیت کے نام سے ہی مشترکہ اجلاسوں میں آتے ہیں۔ اِس لیے ان کو بلانے کی گنجائش نہیں۔ ایک مقام پر حضرت قائد اہل سنت لکھتے ہیں:

> ''اور شکایت یہ ہے کہ ان لوگوں سے بعض صحیح العقیدہ علماء بھی تعاون کرتے ہیں۔ اس لیے ان صحیح العقیدہ علماء ومشائخ سے گزارش ہے کہ وہ سنی دیو بندی مسلک سے منحرف لوگوں کو سمجھائیں، اور اگر وہ عقیدہ حیات النبی وغیرہ کے سلسلے میں ''المہند علی المفند'' کی تائید وتصدیق نہ کریں اور یزید کو فاسق نہ قرار دیں تو ان سے مذہبی تعلق منقطع کر لیا جائے، اور ان کے فتنہ سے اہل السنۃ والجماعۃ کو بچانے کی کوشش کی جائے۔ کیونکہ مقصود مسلک حق کا تحفظ ہے نہ کہ شخصی اور پارٹی تعلقات کا بقاو استحکام۔''

[سالانہ روئیداد، ۱۴۰۲ھ بمطابق ۱۹۸۱ء، ص:۲۴]

دار العلوم دیو بند اور فرقہ مماتیت (جمعیۃ اشاعۃ التوحید والسنۃ)

دفاع امام اہل سنت نامی کتاب پر تقریظ لکھتے ہوئے مفتی دیو بند لکھتے ہیں:

> ''جماعت ''اشاعۃ التوحید والسنۃ'' کے بارے میں اس سے قبل یہاں [دار العلوم دیو بند] سے فتوی دیا گیا تھا کہ اس کے نظریات وافکار اہل السنۃ والجماعۃ کے خلاف اور علمائے دیو بند کے عقیدہ اور موقف کے بھی خلاف ہیں۔ اس کے نظریات وخیالات میں اعتزال اور غیر مقلدیت کی بو آرہی ہے۔''

[مولانا مفتی حبیب الرحمٰن [مفتی: دار العلوم دیو بند]، امام اہل سنت کا عادلانہ دفاع: ۲۴]

عقیدہ حیات النبی اور مماتی فرقہ (جمعیۃ اشاعۃ التوحید والسنہ) کے حوالے سے بے شمار علماء کی آراء وفتاویٰ پیش کیے جاسکتے ہیں، لیکن ہم نے اختصار کے پیشِ نظر چند ایک پر اکتفا کیا ہے جو صورتِ حال واضح کرنے کے لیے کافی ہیں۔ اللہ تعالیٰ سنی قوم کی تمام فتنوں سے حفاظت فرمائیں، آمین

جامعہ علوم اسلامیہ اور جمعیۃ اشاعۃ التوحید والسنۃ (فرقہ مماتیت)

جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی کے ایک فتوی میں ہے:

(خلاصہ سوال: جو شخص زمینی گڑھے کو قبر تسلیم نہ کرے بلکہ علیین وسجین میں روح کی قبر اور جسد مثالی کا قائل ہو، اور جسد عنصری کی طرف اعادہ روح یا تعلق روح اور اس کی حیات کا منکر ہو، وہ کیسا ہے؟)

جواب: ''اہل السنۃ والجماعۃ کا عقیدہ ہے کہ عذابِ قبر جسد مع الروح کو ہوتا ہے، اور ائمہ اربعہ اس پر متفق ہیں۔ اور یہ عقیدہ کہ عذاب صرف روح کو ہوتا ہے معتزلہ کا ہے۔ لہٰذا یہ شخص اہل السنۃ والجماعۃ سے خارج ہے، خود بھی گمراہ ہے، اور دوسروں کو بھی اپنے عقائد فاسدہ سے گمراہ کرتا ہے، بدعتی اور فاسق ہے، لہٰذا اس کے پیچھے نماز پڑھنا صحیح نہیں ہے۔'' مولانا مفتی عبدالمجید، مولانا مفتی عبدالسلام، مولانا مفتی انعام الحق۔

(عذابِ قبر کی صحیح صورت کے منکر شرعی حکم: ۱۱۷)

ایک واقعہ: ایک مرتبہ جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی کے دارالافتاء سے مماتیوں کے خلاف فتویٰ جاری ہوا، مولانا مفتی نظام الدین شامزئی شہیدؒ نے بھی اس فتوے پر تائیدی دستخط کیے، مگر نامعلوم وجوہات کی بناپر اس فتوے سے رجوع کرلیا، جس کی وجہ سے مسئلہ حیات النبی کے حوالے سے اُن کا اپنا عقیدہ مشکوک ہوکر رہ گیا۔ چنانچہ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے امیر حکیم العصر مولانا عبدالمجید لدھیانوی رحمہ اللہ نے اپنے لیٹر پیڈ پر مولانا شامزئی سے حیات النبی سے متعلق اُن کا عقیدہ لکھوایا، جس کا عکس ماہنامہ ''بینات'' کے ''شامزئی نمبر'' کے آخری رنگین اوراق میں دیکھا جاسکتا ہے۔ شنید ہے کہ حضرت حکیم العصر رحمہ اللہ نے مولانا شامزئی شہید کو اپنے مدرسہ میں سالانہ جلسہ کے لیے دعوت دی تھی، لیکن جب تک حیات النبی سے متعلق درست عقیدہ لکھ کر اُنھوں نے دستخط نہیں کیے، تب تک انھیں اسٹیج پر نہیں لے جایا گیا۔ کیا یہ واقعہ ہماری آنکھیں کھولنے کے لیے کافی نہیں کہ مولانا شامزئی جیسی معروف شخصیت کو بھی عقیدے کی تحریری وضاحت سے استثنا نہیں دیا گیا اور اس وضاحت کے بغیر اُنھیں اسٹیج پر نہیں آنے دیا گیا؟

جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن کا حالیہ فتویٰ:

''**سوال**: ہمارے علاقے کے کچھ افراد جو کہ غیر علماء ہیں، محلے میں دیوبند اور اشاعۃ التوحید والسنۃ کے متعلق فتنے اور فساد کا شکار ہیں۔ آپ حضرات وضاحت فرمائیں کہ جماعت اشاعۃ التوحید والسنۃ علمائے دیوبند کا حصہ ہے یا نہیں؟ ان کی اقتداء میں نماز با جماعت درست ہے یا نہیں؟ اس طبقے کے ساتھ عقد نکاح

اورعیدالاضحیٰ کی قربانی جائز ہے یا نہیں؟ عدم جواز کی صورت میں واجب الاداء نمازیں، عیدالاضحیٰ کی قربانی اور موجودہ منقدہ نکاحوں کا کیا حکم ہے؟

جواب: واضح رہے کہ فرقہ اشاعتِ توحید کے لوگ، اہل السنۃ والجماعۃ کے متفقہ عقیدہ حیات النبی وحیات الانبیاء علیہم السلام کے منکر ہونے کی وجہ سے اہل السنۃ والجماعۃ سے خارج ہیں، اور اہل ہویٰ واہل بدعت ہیں۔ پس ایسا شخص جو حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا قائل نہ ہو اس کی اقتدا میں نماز ادا کرنا مکروہ تحریمی ہے، لہٰذا ایسے بدعقیدہ شخص کی امامت میں نماز ادا نہ کی جائے، تاہم جو نمازیں پڑھ لی گئی ہیں وہ ادا ہوچکی ہیں، ان کے اعادے کی ضرورت نہیں! اسی طرح طرح بوقت ضرورت ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھی جاسکتی ہے، جماعت کا ثواب مل جائے گا، تاہم مستقل طور پر ان کی امامت میں نماز ادا نہ کی جائے۔ اس فرقے کے ساتھ نکاح اور عیدالاضحیٰ کی قربانی بھی جائز ہے، البتہ بہتر یہی ہے کہ صحیح العقیدہ کے ساتھ یہ معاملات کیے جائیں۔ فقط واللہ اعلم

تائید: مولانا مفتی شفیق عارف، مولانا مفتی محمد داؤد......۲۱ر فروری ۲۰۲۳ء۔۔۳۰ ر رجب ۱۴۴۴ھ

اشاعتی گروہ کی طرف سے چیلنج اور اتحاد اہل السنۃ والجماعۃ کی طرف سے جواب:

جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن سے مذکورہ بالا فتویٰ جاری ہونے کے بعد جمعیۃ اشاعۃ التوحید والسنۃ (مماتی فرقہ) نے اِسے غلط فتویٰ قرار دیتے ہوئے اس سے رجوع کا مطالبہ کیا بصورتِ دیگر مناظرے کا چیلنج دیا۔ اتحاد اہل السنۃ والجماعۃ کی طرف سے اِس چیلنج کو قبول کیا گیا۔ تفصیل درج ذیل ہے:

۱۴ر مارچ ۲۰۲۳ء کو جمعیۃ اشاعۃ التوحید والسنہ صوبہ سندھ کا ہنگامی اجلاس ہوا، جس میں مولانا حسین علی [امیر: صوبہ سندھ] اور مولانا محمد زاہد صدیقی [ناظم اعلیٰ: صوبہ سندھ] کی موجودگی میں مولانا عبیداللہ ہزاروی [ترجمان: صوبہ سندھ] نے اجلاس کا اعلامیہ پیش کیا، جس کی ریکارڈنگ بعد میں جاری کی گئی۔ مولانا عبیداللہ ہزاروی کے بقول بنوری ٹاؤن کا یہ فتوی غلط ہے، جہل وعناد پر مشتمل اور فسادات کا باعث ہے، اس سلسلہ میں اشاعۃ کے ذمہ داران کی بنوری ٹاؤن کے کچھ حضرات سے ملاقات ہوچکی ہے، اُن حضرات نے بنوری ٹاؤن کے مہتمم مولانا سلیمان بنوری صاحب سے ملاقات کا وقت لینے کے لیے دو تین دن کا وقت مانگا ہے۔ اشاعۃ التوحید والوں نے: [۱] مولانا عبیداللہ، [۲] مولانا زاہد صدیقی، [۳] مولانا وارث شاہ، [۴] مفتی حامد، [۵] مولانا عنایت الرحمٰن، [۶] مولانا عصمت اللہ حسن زئی، [۷] مولانا مطیع الرحمٰن، [۸] مولانا رفیع اللہ، [۹] مولانا زبیر، [۱۰] مولانا عبدالباری، [۱۱] مولانا رضوان اللہ وغیرہ پر مشتمل بارہ رکنی کمیٹی تشکیل دی ہے، جو ۲۵ر ۳۰ افراد کے وفد کے ہمراہ اس سلسلہ میں بنوری ٹاؤن کے مہتمم، نائب مہتمم اور دیگر ذمہ داران سے ملاقات کرے گی۔ اولاً ان سے مطالبہ ہوگا کہ یہ فتویٰ واپس لیا جائے، بصورتِ دیگر

اشاعتی لوگ مناظرہ اور مباہلہ کے لیے بھی تیار ہیں۔ نیز سوشل میڈیا پر جن لوگوں نے بنوری ٹاؤن کے خلاف طوفان بدتمیزی برپا کیے رکھا، اُن کے بارے میں مولانا عبیداللہ کا کہنا ہے کہ انہوں نے اچھے انداز سے اپنے جذبات کا اظہار کیا ہے۔ امیر صوبہ سندھ نے ان تمام باتوں کی توثیق کرتے ہوئے اس بات کو دوہرایا کہ: اگر یہ لوگ مذاکرات کی طرف نہ گئے تو پھر ہماری طرف سے مناظرے کا چیلنج ہے۔ بنوری ٹاؤن والے جس شخصیت کو بھی لانا چاہتے ہیں، ہم اُن کے لیے ہمہ وقت تیار رہیں گے۔ جبکہ ناظم اعلیٰ صوبہ سندھ نے کہا کہ: یہ صوبہ سندھ کے تمام کارکنوں کا متفقہ فیصلہ ہے، ہم نمٹنا جانتے ہیں۔ ہم کسی قسم کی سودے بازی کرنے یا پیچھے ہٹنے والے نہیں ہیں۔ ہمارے پاس کئی متبادل صورتیں موجود ہیں۔ ہم حق پر ہیں، انبیاء کے مشن پر ہیں۔ میں بھی توثیق کرتا ہوں۔ [اعلامیہ اجلاس اشاعۃ التوحید صوبہ سندھ]

اشاعتی گروہ کے اِس اعلان کے بعد ۲۳ ر مارچ ۲۰۲۳ء کو مولانا عبداللہ عابد وڑائچ [امیر: اتحاد اہل السنۃ والجماعۃ پنجاب] نے مولانا مفتی محمد انور اوکاڑوی (امیر مرکزیہ: اتحاد اہل السنۃ والجماعۃ، نائب شیخ الحدیث ورئیس تخصص فی الدعوۃ والارشاد جامعہ خیر المدارس ملتان) کے حکم اور اجازت سے مولانا منیر احمد منور (نائب امیر مرکزیہ: اتحاد اہل السنۃ والجماعۃ، شیخ الحدیث: جامعہ باب العلوم کہروڑپکا) کی موجودگی میں بنوری ٹاؤن کے حالیہ فتوے کی تائید کرتے ہوئے مولانا عبیداللہ ہزاروی کا چیلنج قبول کیا ہے، فرماتے ہیں:

''ہم اشاعۃ التوحید والسنہ کے اس چیلنج کو قبول کرتے ہیں۔ اور جب بھی، جہاں پر وہ بات کرنا چاہیں، ہم اُن سے بات کرنے کے لیے تیار ہیں۔ اور یہ عقیدہ پنجاب کا، سندھ کا کسی خاص علاقے کا نہیں، یہ اسلام کا عقیدہ ہے، اور یہ اجماعی عقیدہ ہے، اور اسی کی بنیاد پر پہلے بھی بہت سارے حضرات یہ فتویٰ دے چکے ہیں کہ: جو شخص اجماعی عقیدہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا منکر ہے، وہ اہل السنۃ والجماعۃ سے خارج ہے، اور اُس کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے۔ اور اِس بات پر آج بھی اللہ کے فضل وکرم سے' اگر آپ کو گفتگو کرنے کا شوق ہو تو ہم اتحاد اہل السنۃ والجماعۃ آپ سے گفتگو کرنے کے لیے تیار ہیں۔''

اتحاد اہل السنۃ والجماعۃ کی طرف سے اس اعلان کے بعد اشاعتی حضرات کی طرف سے کوئی ردعمل آنا ہمارے علم میں نہیں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اہل سنت کو ہر محاذ پر کامیابی نصیب فرمائیں اور اہل بدعت وہویٰ کو ہدایت نصیب فرمائیں، پوری امت مسلمہ کی تمام فتنوں سے مکمل حفاظت فرمائیں۔ آمین ثم آمین

خادم اہل سنت حمزہ احسانی غفرلہ......(۱۸ر رمضان المبارک ۱۴۴۴ھ....۹ر اپریل ۲۰۲۳ء)

☆......☆......☆......☆

مولانا جمیل الرحمٰن عباسی

حضرت سیدنا عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ

’’میرے دوستوں (آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرامؓ) پر کرب وستم کی قیامت برپا ہے، ان کی زندگی مصائب وآلام سے عبارت ہے اور میں ایک کافر (ولید بن مغیرہ) کی امان میں بڑی راحت کے ساتھ رات دن بسر کر رہا ہوں، خدا کی قسم میرے اندر ضرور کوئی نقص ہے۔‘‘

یہ الفاظ حضرت سیدنا عثمان بن مظعونؓ کے ہیں، حضرت عثمان اسلام لانے کے بعد حبشہ کی طرف ہجرت فرما گئے، وہاں انہیں اطلاع ملی کہ قریشِ مکہ حلقہ بگوشِ اسلام ہوگئے، یہ واپس آ گئے، مکہ کے قریب پہنچے تو انہیں صحیح صورتحال کا علم ہوا، ان پر دوبارہ حبشہ کی طرف سفر کرنا گراں گزرا، وہ ولید بن مغیرہ کی پناہ میں پُرامن زندگی گزار رہے تھے، ادھر مسلمانوں پر سختی کے پہاڑ ٹوٹ رہے تھے، حضرت عثمان بن مظعونؓ اس صورتحال کو دیکھ کر تڑپ اٹھے، انہیں یہ بات قطعی ناپسند تھی اور کسی صورت برداشت نہ ہوئی کہ ان کے شب و روز سکون سے گزریں اور ان کے ساتھی دکھوں میں گھرے رہیں، تب انہوں نے ولید کو اس کی ضمانت واپس کی اور اس طرح آنحضرت ﷺ کی محبت میں اپنا آرام تج دیا۔

جفا جو عشق میں ہوتی ہے وہ جفا ہی نہیں ستم نہ ہو تو محبت میں کچھ مزا ہی نہیں

حضرت عثمان بن مظعونؓ کی کنیت ابوسائب تھی، ان کی والدہ کا نام سخیلہ بنت عنبس تھا، آپ آغازِ دعوائے نبوت میں اس وقت دامنِ اسلام سے وابستہ ہوگئے جب صرف تیرہ افراد دائرہ اسلام میں داخل ہوئے تھے، حضرت سیدنا عمرؓ فاروق آپ کے بہنوئی اور حضرت ام المؤمنین سیدہ حفصہؓ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ آپ کے حقیقی بھانجے تھے۔ (اسد الغابہ: ۵۲۷/۲) انہیں ہجرت حبشہ کا اعزاز بھی حاصل تھا اور ہجرت مدینہ کی فضیلت بھی حاصل ہوئی، بچپن سے ہی ذہین تھے، دورِ جاہلیت میں بھی شراب پینے سے گریز کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ میں ایسا کام (شراب پینے کا) کیوں کروں جس سے میری عقل متاثر ہو اور مجھ سے گھٹیا لوگ مجھ پر ہنسیں، شب بیداری اور عبادت گزاری میں نمایاں مقام رکھتے تھے، آنحضرت ﷺ سے ترک دنیا اور خود کو خصی کرا دینے کی اجازت طلب کی تھی مگر آنحضرت ﷺ نے اجازت نہ دی اور فرمایا: **لکن علیک ابن مظعون بالصوم** ’’اے ابن مظعون آپ مسلسل روزے رکھو! (بخاری، کتاب النکاح)

ولید بن مغیرہ کو امان واپس کرنے کے بعد یہ ایک موقع پر عرب کے مشہور شاعر لبید بن ربیعہ کے

پاس تھے، لبید نے اپنا مشہور شعر پڑھا ’’الا کل شیئ ما خلا اللہ باطل ‘‘(اللہ کے سوا سب چیزیں باطل ہیں) حضرت عثمانؓ نے فرمایا ’’ آپ سچ کہہ رہے ہیں ‘ لبید نے دوسرا مصرع پڑھا ’’ و کل نعیم لا محالۃ زائل ‘‘(ہر نعمت ضرور زوال پذیر ہوگی) حضرت عثمان نے فرمایا ’’ آپ نے غلط کہا، جنت کی نعمتیں لازوال ہیں ‘‘۔

ایک بے وقوف نے اسی وقت آپ کو طمانچہ مارا جو آپ کی آنکھ پر لگا اور آنکھ نیلی پڑ گئی، کسی نے کہا اے عثمان آپ (ولید بن مغیرہ) کی مضبوط پناہ میں تھے جس کی وجہ سے آپ کی آنکھ محفوظ تھی، آپ نے غلطی کی کہ اس کی امان سے نکل گئے، حضرت عثمانؓ نے اس کو بڑا ایمان افروز جواب دیا، فرمایا ’’ میں تو اپنی دوسری آنکھ بھی دین پر فدا کرنے کے لیے تیار بیٹھا ہوں، مجھے اللہ تعالیٰ کی پناہ زیادہ عزیز اور میری نظروں میں زیادہ مضبوط ہے، مگر آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرامؓ کے طرزِ سرفروشی سے الگ رہنا گوارا نہیں ‘‘۔

(الاصابہ: ۱۲۴۰/۲، اسد الغابہ: ۵۲۸/۲)

حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کا انتقال ۲ھ میں ہوا، غزوہ بدر میں آپ شرکت کی سعادت حاصل کر چکے تھے، حافظ ابن حجر عسقلانیؒ لکھتے ہیں ” وھو اول من مات بالمدینۃ من المھا جرین و اول من دفن بالبقیع منھم “ (الاصابہ حوالہ بالا) حضرت عثمانؓ مہاجرین میں سے پہلے آدمی ہیں جن کا مدینہ میں انتقال ہوا اور مہاجرین میں پہلے شخص ہیں جنہیں جنت البقیع میں دفن کیا گیا۔

حضرت عائشہ فرماتی ہیں قبل النبی ﷺ عثمان بن مظعون وھو میت وھو یبکی وعیناہ تذرفان (ترمذی شریف کتاب الجنائز باب تقبیل المیت) حضرت عثمان بن مظعونؓ کا جب انتقال ہوگیا تو آپ ﷺ نے ان کی میت کو بوسہ دیا اور آپ ﷺ کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے) ابن عبد البر کی روایت کے مطابق آپ ﷺ نے حضرت عثمان بن مظعونؓ کی میت کو تین مرتبہ بوسہ دیا (الاستیعاب) جب آنحضرت ﷺ کے صاحبزادہ حضرت ابراہیمؓ کا انتقال ہوا تو آپ ﷺ نے ان سے مخاطب ہو کر فرمایا ’’ اُلحِقُ بسلفنا الصلاح عثمان بن مظعون (الاستیعاب: ۵۱۱)(ہمارے بہترین پیش رو عثمان بن مظعون کے پاس چلے جاؤ!)

میں اکیلا ہی چلا تھا جانبِ منزل ، مگر لوگ ساتھ آتے گئے کارواں بنتا گیا

حضرت عبد اللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت عثمانؓ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا ’’ اے عثمان! تم دنیا سے اس حال میں گئے کہ دنیا کی کسی چیز سے آلودہ نہیں ہوئے۔

(اسد الغابہ: ۵۲۹/۲)

آنحضرت ﷺ نے آپ کی قبر پر بطور نشانی ایک پتھر رکھوادیا اور آپ ﷺ ان کی قبر پر تشریف لے جاتے تھے (حوالہ بالا) حضرت ام علاء انصاریؓ یہ فرماتی ہیں کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ حضرت عثمانؓ کے لئے ایک نہر جاری ہے، میں نے یہ خواب رسول اللہ ﷺ کو جا کر سنایا، آپ ﷺ نے فرمایا ''یہ ان کے اعمال کا ثمرہ ہے۔حضرت عثمانؓ کی بیوی نے ان کے مرثیہ میں بہت اچھے اشعار کہے تھے، دو شعر ملاحظہ ہوں ؎

یا عین جودی بدمع غیر ممنوع — علی رزیة عثمان بن مظعون

علی امرأ بات فی رضوان خالقه — طوبی له من فقید الشخص مدفون

ترجمہ: اے آنکھ! عثمان بن مظعون کے حادثہ پر مسلسل آنسو بہا، ایسے شخص پر جو اپنے خالق کی رضا کے لیے رات بسر کرتا تھا، خوش خبری ہے اس کے لیے جس کا جسد مبارک قبر کے حوالہ کر دیا گیا۔

(اسد الغابۃ: ۵۲۹/۲)

☆......☆......☆......☆

انجم نیازی

سیّدنا عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ

دیکھتا جی بھر کے میں آنکھوں سے تابانی تری — کاش مل جاتی مجھے جنت میں دربانی تری

تجھ کو دفنانے سے پہلے تجھ کو نہلانے کے بعد — فخرِ موجودات نے چُومی تھی پیشانی تری

قابلِ تعظیم ہے سب کے لیے تیرا قیام — باعثِ فخر و سعادت ٹھہری مہمانی تری

پیش کرتی ہے سلامی قبر کی مٹی تجھے — جسم کی مہکار کرتی ہے ثنا خوانی تری

نُور کی شمعیں جلا دیں بدر کے میدان میں — آج تک مقروض ہے یہ نسلِ اِنسانی تری

چومتا تھا غسل کا بہتا ہوا پانی تجھے — آسمانوں سے تھی بڑھ کر پاک دامانی تری

کر گئی روشن نہ جانے کتنی صدیوں کا وجود — صورتِ مہتاب ہے اُجلی مسلمانی تری

چُوم لیتا کاش میں بھی تیرے قدموں کا غبار — کاش مِل جاتی مجھے بھی عمرِ لافانی تری

☆......☆......☆......☆

مرتب: مولانا مفتی شعیب احمد

مجلس: ۱۳

المجالس الحسنہ

مجالس: مولانا مفتی محمد حسن مدظلہم [خلیفہ مجاز: حضرت امام اہل سنت رحمہ اللہ]

20 / دسمبر 2013ء ......۱۷ / صفر المظفر ۱۴۳۵ھ بروز جمعہ

شادی پر اللہ تعالیٰ کو نہیں بھولنا

جمعہ کے بعد کی مجلس میں حاضری کی سعادت حاصل ہوئی۔

آج ایک نکاح کی تقریب تھی، دعا کے بعد فرمایا: میرے پاس ایک بزرگ آئے کہنے لگے میرے بیٹے کی شادی ہے تو دوسرے بھائی کہنے لگے:

شادی خوشی کا موقع ہے لیکن اللہ میاں کی خوشی سے اپنی خوشی پر مقدم رکھنا ہے پہلے رکھنا ہے، ہمت سے زیادہ خرچ نہیں کرنا، اسراف نہیں کرنا، گناہ کے کام میں خرچہ نہیں کرنا۔ سامان سے دل نہیں لگانا یہ لوہے لکڑی سے کیا دل لگانا! زیادہ مطالبات نہیں کرنے، جب بیٹی مل گئی سب کچھ مل گیا، کسی کی بیٹی کی ہم قدر کریں گے ہمارے گھروں میں بھی بیٹیاں موجود ہیں اللہ ان کو بھی برکتوں سے بھر دیں گے۔

ایک دفعہ رمضان المبارک میں قرآنِ پاک کا ترجمہ وتفسیر ہو رہا تھا اس میں یہ آیات آئیں:

﴿فیھا سرر مرفوعة واکواب موضوعة ونمارق مصفوفة وزرابی مبثوثة.﴾

کہ جنت میں کرسیاں لگی ہوئی ہیں، تخت لگے ہوئے، پانی کے برتن آب خورے لگے ہوئے۔ قالین بچھے ہوئے تکیے لگے ہوئے ہوں گے۔

ایک بھائی فرمانے لگے: شادی کا سارا سامان تو اوپر سجا ہوا ہے یہاں اتنی فکر کی کیا ضرورت ہے؟ آپ جنت کے دولہا ہیں۔ بس پہنچو سہی سب خوشیاں استقبال کے لیے کھڑی ہیں۔ اور یہ میں نہیں کہہ رہا یہ دو جہان کے بادشاہ فرما رہے ہیں جن کا ہم صبح وشام کھا پی رہے ہیں وہ فرما رہے ہیں۔

مدرسوں کی قلیل تنخواہیں

دوران مجلس پرچیوں میں سے ایک پرچی پر کسی مدرسے کے معاملات غالباً تنخواہ وغیرہ کے حوالے سے کچھ سوال تھا جس پر حضرت نے فرمایا:

میرے عزیز! اللہ نے جس خدمت میں لگا رکھا ہے اس کے مقابلے میں اس کی کچھ حیثیت نہیں، مدرسوں میں جو کچھ ملتا ہے یہ کام کی تنخواہ نہیں ہوتی، یہ تو جیب خرچ ہوتا ہے، تنخواہ تو اوپر ہے، نیکی کوئی بھی ہو یا امانت ودیانت ہو، کاروبار میں ہو یا ملازمت میں ہو اس کی تنخواہ یا معاوضہ یہاں نہیں، اوپر ہے، یہاں تنخواہ ہو بھی کیسے سکتی ہے، یہ ساری دنیا تو ایک سبحان اللہ کی قیمت نہیں، الحمدللہ کی قیمت نہیں۔

اگر گنجائش ہو تو تنخواہ زیادہ رکھ سکتے ہیں جس سے گذر اوقات اچھی ہو جائے۔

میں جب گوجرانوالہ میں مدرس تھا تو یہاں چوبرجی والے استاد صاحب نے والد صاحب کے ہاتھ پیغام بھیجا کہ حسن سے کہنا جگہ یہاں بھی ہے، لیکن تنخواہ تھوڑی ہے۔

پھر جب آ گیا تو بارہ سو وظیفہ تھا، ہر سال ایک ایک سو بڑھتا رہا، لیکن میں عرض کروں اس بارہ سو میں اللہ نے اتنی برکت عطا فرمائی کہ 14 رحج کر چکا ہوں۔ مدینہ منورہ کا اقامہ بنا ہوا ہے جب چاہوں جا سکتا ہوں۔ یہاں تو آپ حضرات کی خدمت کے لیے بیٹھا ہوں۔ استاذ صاحب نے فرمایا تھا: مدرسے کا نام ''محمدیہ'' ہے، محمد ﷺ کے نام کی لاج رکھنا۔ پتہ نہیں کس (استاد نے) فرمایا تھا۔ حالات آئے لیکن اللہ نے دستگیری فرمائی۔

ہمارے جامعہ اشرفیہ کے استاذ ہیں حضرت مولانا یعقوب صاحب دامت برکاتہم العالیہ [اب رحمہ اللہ] وہ کراچی گئے وہاں ان کے ساتھی تھے مولانا شمس الحق صاحب رحمہ اللہ، انہوں نے ان سے کہا کہ آپ کی وہاں تنخواہ تھوڑی ہے ادھر آ جاؤ، تو حضرت مولانا یعقوب صاحب نے فرمایا:

''میرے اساتذہ نے مجھے نصیحت کی تھی کہ جب تک مدرسے والے دھکا دے کر مدرسے سے نہ نکال دیں اس وقت تک مدرسے سے نہیں نکلنا اور ابھی وہ وقت نہیں آیا۔''

میرے عزیز! دو سے ایک روٹی پر آ جائیں، ایک سے آدھی پر، آدھی سے ٹکڑے پر، ٹکڑے سے لقمے پر، لقمے سے پتے پر لیکن اس رستے کو چھوڑنا نہیں۔ میرے حضرت نے نام لے کر فرمایا: حسن! دنیا گذارے کی جگہ ہے دال روٹی سے گذارہ چل جائے گذارہ کر لینا اللہ آخرت میں سب ارمان پورے کریں گے۔

وسوسہ عمل کی قبولیت کی نشانی ہے

وساوس کی بابت ایک سوال پر فرمایا:

وساوس کا آنا برا نہیں، ازخود لانا بُرا ہے۔ میرے حضرت سے ایک صاحب نے پوچھا جب ذکر کرتا ہوں تو وساوس بہت آتے ہیں، حضرت نے فرمایا: ''وساوس کا آنا ذکر اللہ کے قبول ہونے کی نشانی ہے۔''

کیونکہ وسوسہ شیطان کی پریشانی کا نام ہے۔ جب وہ دیکھتا ہے کہ کوئی عمل اللہ کے ہاں قبول ہو رہا ہے تو وہ پریشان ہو کر پھونک پھانک مارتا ہے۔ وہ پریشان ہو تو ہو، ہم کیوں پریشان ہوں۔ شیطان کا اختیار بس اسی پھونک پھانک تک ہی ہے اس سے زیادہ کچھ نہیں کرسکتا۔ حدیث شریف میں ہے: ''الحمد لله الذی ردّ کید الشیطان الیٰ الوسوسة ''۔ ترجمہ: ''تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے شیطان کے مکر کو وسوسے تک محدود کردیا۔''

دینی خدمات ذکر کے قائم مقام ہیں

نماز کے بعد حضرت جامعہ اشرفیہ کے لیے روانہ ہوئے، جاتے ہوئے حضرت نے بندہ کو بھی ساتھ چلنے کے لیے اشارہ فرمایا، چنانچہ معیت حاصل ہوگئی۔ دورانِ سفر ایک ساتھی نے اپنے گھر والوں کی غائبانہ بیعت کی درخواست کی حضرت نے قبول فرمایا اوراذکار و معمولات کے علاوہ ''تبلیغ دین'' کے مطالعہ کا فرمایا۔

ایک ساتھی نے عرض کیا کہ نفی اثبات واسم ذات کے جہر سے سر میں درد سا محسوس ہوتا ہے، حضرت نے فرمایا بھائی بس یہ (تیسرا کلمہ استغفار، درود شریف اور ذکرِ قلبی والے) اذکار کریں وہ چھوڑ دیں۔ تھوڑا بہت چلو کرلیا۔

عرض کیا کہ حضرت کبھی کبھار دل کرتا ہے کہ سب مشاغل چھوڑ چھاڑ کر اللہ اللہ کریں۔ حضرت نے فرمایا: حضرت اقدس صوفی صاحب دامت برکاتہم العالیہ نے جامعہ عبداللہ بن عمر کے اساتذہ کی مجلس میں فرمایا: آپ لوگوں کا پڑھنا پڑھانا بھی ذکر اللہ ہی میں داخل ہے ''کل مطیع فهو ذاکر'' ہر اطاعت کرنے والا ذاکر ہی ہے بس دھیان اوپر ہونا چاہیے، اخلاص اور استحضار کے ساتھ کام کریں۔

بندہ نے ''اشباہ'' کی تدریس وترجمے کا تذکرہ کیا۔ حضرت نے فرمایا: بہت اچھا ہے، ساتھ ہی دعا دی کہ اللہ برکت دے، اور فرمایا کہ نیت اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کی فرمائیں۔

سبق سے پہلے چار کام

فرمایا: سبق/بیان کرنے سے پہلے چار کام کرلیا کریں: (۱) درود پاک، (۲) اللهم خر لی و اخترلی، (۳) اللهم الهمنی رشدی و اعذنی من شر نفسی، (۴) اور دعا کہ یا اللہ! اپنی رضا کے مطابق کہنے سننے کی توفیق عطا فرما۔

☆......☆......☆......☆

مولانا فضل الرحمٰن دھرم کوٹی مدظلہ [خلیفہ مجاز: حضرت سید نفیس الحسینی رحمہ اللہ]

فتنوں کے تعاقب کے سرخیل

حضرت مفتی صاحب مرحوم ومغفور سے مجھے کچھ زیادہ ملاقاتوں کا موقع نہیں ملا۔ صرف ایک یادگار ملاقات کا ہی شرف حاصل ہوا۔ جس وقت وہ رعشے کے موذی مرض میں مبتلا تھے، بہت دھیمی آواز میں رُک رُک کر بولتے تھے جسے صرف خصوصی خدام ہی سمجھ سکتے تھے۔ میں نے سلام کیا، آپ نے اشارے سے جواب دیا۔ پوچھا کیا مسئلہ ہے؟ میں نے کہا محمد بن علوی مکی مالکی کی کتاب ''ذخائر محمدیہ'' کی ضرورت ہے، اگر آپ کے پاس برائے فروخت ہو تو مجھے ایک نسخہ دیا جائے ورنہ اس کا فوٹو مجھے عطا کر دیا جائے۔ آپ نے پوچھا اس پر کچھ لکھ رہے ہو؟ میں نے کہا جی ہاں۔ تو آپ نے اپنے خدام کو فرمایا کہ اس کا موبائل فوٹو اس کو دے دیں۔ میرے ساتھ محمد رشیدی بن قاری عبدالجلیل مرحوم (مہتمم مدرسہ تعلیم الاسلام، جیا موسیٰ شاہدرہ، لاہور) تھے اس کے موبائل میں وہ کتاب منتقل کر دی جو مجھے حوالے کے لیے مطلوب تھی۔ بس یہی پہلی اور آخری ملاقات تھی۔

حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ مذہبی معاملات میں بڑے حساس واقع ہوئے تھے۔ جب کبھی نیا فتنہ سر اُٹھاتا تو اس پر پہلی ضرب حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ ہی لگایا کرتے تھے۔ منکر حدیث غامدی کا پہلا تعارف اور اس کا تعاقب بھی پہلے پہل حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ ہی نے کیا اور اس کے مخلص چیلے عمار خان کا بگڑا ہوا چہرہ بھی حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ نے ہی دکھایا ہے۔

اسی مکی مالکی کی کتاب ''ذخائر محمدیہ'' پر میں نے کچھ لکھا تھا، اس لیے میں حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کے پاس آیا تھا تو ان کے حکم سے آپ لوگوں نے مجھے اس کا فوٹو دے دیا۔ جس پر میں آپ لوگوں کا شکر گزار ہوں جو عبارت اس تحریر کا موجب بنی وہ یہ ہے۔ محمد بن علوی مالکی اپنی کتاب ''ذخائر محمدیہ'' میں حضور ﷺ کے متعلق لکھتے ہیں:

و اوتی علم کل شیء حتی الروح و حتی المغیبات الخمسۃ.

اس میں مکی مالکی نے خاصۂ خداوندی میں حضور علیہ الصلاۃ والسلام کو شریک کیا ہے۔

مولانا عبدالحفیظ مکی ہمارے مدرسہ (جامعہ صدیقیہ بہاولپور) میں تشریف لائے کیونکہ وہ اس مدرسے کے سرپرست تھے۔ میں نے ان سے وقت لے کر اس مسئلے میں گفتگو کی۔ میں نے کہا حضرت! میں آپ کے

علم وفضل کا معترف ہوں اور آپ کی عبادت وریاضت بھی ہمیں مسلم ہے لیکن ایک پکے ٹھکے بدعتی کی عقیدت میں آپ کیوں مبتلا ہیں اور کیوں ان کا دفاع کرتے ہیں۔ حضرت رحمہ اللہ نے فرمایا: اس کی کیا دلیل ہے کہ وہ (محمد بن علوی مالکی) پکا بدعتی ہے؟ میں نے کہا: ہاں اس کی دلیل میرے ذمے ہے، میں نے ''ذخائر محمدیہ'' کی یہی عبارت ان کے سامنے پیش کی اور ان سے پوچھا کہ کیا یہ اہل السنۃ والجماعۃ کا عقیدہ ہے؟ سن کر ذرا ٹھٹھک گئے، پھر فرمایا: کتاب تو میرے پاس ہے مگر ابھی تک اس کا مطالعہ نہیں کیا ہے میں جا کر اس کا مطالعہ کروں گا پھر تجھے جواب دوں گا۔ میں نے کہا ٹھیک ہے ہم اس کا انتظار کرتے ہیں۔ پھر مکہ مکرمہ چلے گئے اور وہاں سے افریقہ اور وہیں دل کے اٹیک سے انتقال کر گئے اور میرا یہ سوال اپنے ساتھ ہی لے گئے۔

اسی مجلس میں میں نے یہ بھی کہا تھا کہ قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ تعالیٰ نے لکھا ہے کہ وہ مالکی مولوی احمد رضا خان بریلوی کے بیٹے مصطفیٰ رضا خان کا خلیفہ ہے تو عبدالحفیظ صاحب نے فرمایا: قاضی نے جھوٹ بولا ہے۔ (۱)

چونکہ مکی مالکی کا تعارف اور اس کی ضلالت کا اظہار مجھے حضرت مفتی صاحب مرحوم ومغفور کے رسالوں سے ہی ہوا تھا اس لیے ذرا بسط سے میں نے جواب لکھ دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کو بہترین جزائے خیر عطا فرمائے اور ہمیں جدید وقدیم فتنوں سے محفوظ رکھے۔ آمین ع

یہ میں نے مختصر سی بات کی ہے دل میں ڈرتا ہوں
کہ تم آزردہ خاطر ہو نہ جاؤ بات لمبی ہے

(بشکریہ ماہنامہ دارالتقویٰ اشاعتِ خاص)



---

(۱) نوٹ: قائد اہل سنت مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ نے شیخ محمد بن علوی مالکی کے بارے میں جو کچھ لکھا تھا، اس کا ٹھوس حوالہ اور ثبوت بھی ساتھ ہی دیا تھا۔ جو کتاب ''تحفظ عقائد اہل سنت'' کے صفحہ نمبر ۴۲۷ پر دیکھا جا سکتا ہے۔

اِس کے باوجود مولانا عبدالحفیظ مکی مرحوم کا حضرت قاضی صاحب رحمہ اللہ کے دعوے کو ''جھوٹ'' کہنا بڑی جسارت ہے۔ اپنے آپ کو تصوف وسلوک سے وابستہ ظاہر کرنے اور عوام الناس کے اعمال واخلاق کی اصلاح میں نمایاں نظر آنے کی کوشش کرنے والوں کے اخلاق کی ''عمدگی'' اور کردار وحوصلہ کی ''بلندی'' واضح طور پر معلوم ہو رہی ہے۔ (ادارہ صفدر)

ترتیب: صاحبزادہ مولانا سید اسعد معاویہ
تسہیل، اضافہ، عنوانات: حمزہ احسانی

خلافتِ راشدہ کی شرائط......حضرت شاہ ولی اللہ کی نظر میں!

اِفادات: محقق اہل سنت مولانا سید عصمت شاہ کاظمی رحمہ اللہ

اہل سنت کے نزدیک نبوت کے بعد سلسلۂ خلافت ہے:

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے آخری نبی ہیں، اَب قیامت تک کسی کو نبوت نہیں ملے گی۔ البتہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ: میرے بعد خلفاء ہوں گے۔ اِس لیے اہل سنت کا عقیدہ ہے کہ: نبوت کے بعد ''خلافت'' کا سلسلہ ہے۔ جبکہ روافض کے نزدیک نبوت کے بعد ''امامت'' کا سلسلہ ہے۔

خلافت کی اقسام:

خلافت کی دو بڑی اقسام ہیں: [۱] خلافت خاصہ [۲] خلافت عامہ۔ خلافتِ خاصہ سے مراد وہ خلافت ہے، جس کا اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں مہاجر صحابہ سے وعدہ فرمایا ہے۔ اِسے اصطلاح شریعت میں خلافتِ راشدہ، خلافتِ موعودہ فی القرآن، خلافت علیٰ منہاج النبوۃ اور خلافتِ خاصہ کہا جاتا ہے۔ جبکہ خلافتِ عامہ سے مراد وہ خلافت ہے جو اِس کے علاوہ ہو۔ زیرِنظر تحریر خلافت کی پہلی قسم یعنی خلافتِ خاصہ (خلافتِ راشدہ موعودہ فی القرآن) کی شرائط سے متعلق ہے۔

خلافتِ خاصہ (خلافتِ راشدہ) کی شرائط:

اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کی آیتِ استخلاف [نور:۵۵] اور آیتِ تمکین [حج:۴۱] میں صحابہ کرام سے جس خلافت کا وعدہ فرما کر اُن خلفاء کے اوصاف کا تذکرہ فرمایا ہے، اُس خلافت کے مصداق کون کون حضرات ہیں؟ امام الہند حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ نے اپنی مایہ ناز کتاب: **ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء** میں اس ''خلافتِ خاصہ'' کی دس شرائط تحریر فرمائی ہیں۔ (اور حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ سے قبل جمہور مفسرین محدثین اور متکلمین نے اپنی تحقیق کے تحت اور خداداد بصیرت سے ان شرائط کا متفرق مقامات پر ذکر کیا ہے۔) یعنی صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سے جن حضرات کو اللہ تعالیٰ نے خلافت عطا فرمائی، اُن میں سے جن جن حضرات میں وہ دس شرائط پائی جاتی ہیں، وہ سب کے سب قرآن پاک کے وعدے والی خلافت کے مصداق ہیں۔ یعنی وہ سب کے سب اصطلاحی معنی میں بھی خلیفۂ راشد ہیں۔ اور جن حضرات میں وہ دس شرائط نہیں پائی جاتیں، یا اُن میں سے کوئی ایک آدھ شرط نہیں پائی

جاتی، اُنھیں اصطلاحی معنیٰ میں خلیفۂ راشد اور اُن کی خلافت کو اصطلاح میں خلافتِ راشدہ نہیں کہا جاتا۔

خلافتِ خاصہ (خلافتِ راشدہ) کی شرائط کا اِجمالی تذکرہ:

(۱)- ایمان لانا۔ (۲)- قریشی ہونا۔ (۳)- مظلوم ہونا۔ (۴)- مدینہ کی طرف ہجرت کرنا۔

(۵)- دونوں قبلوں (قبلہ اول بیت المقدس اور قبلہ دوم بیت اللہ شریف) کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھنے کا موقع نصیب ہونا۔ (۶)- بدری ہونا۔ (۷)- سورۃ النور کے نزول کے وقت مدینہ منورہ میں موجود ہونا۔

(۸)- عشرہ مبشرہ میں سے ہونا، یعنی جن دس صحابہ کو ایک ہی مجلس میں نام بنام جنت کی بشارت ملی، اُن میں سے ہونا۔ (۹)- مدتِ خلافت کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد تیس سال کے اَندر اَندر ہونا۔

(۱۰)- خلیفہ بننے سے لے کر آخر دم تک منصبِ خلافت پر برقرار رہنا۔

عوام کے عقائد کی حفاظت کے لیے اکابر کی کوششیں:

اکابر اہل السنۃ والجماعۃ اپنے اپنے وقت میں مذہب اہل سنت کی حقانیت کو اُجاگر کرنے اور عوام الناس کے عقائد ونظریات کی حفاظت کے لیے سنجیدہ اَنداز میں دلائل وبراہین کے ساتھ تقریر وتحریر کے ذریعہ مختلف خدمات سرانجام دیتے چلے آئے ہیں۔ اور قرآن وسنت، صحابہ کرام اور اسلافِ امت سے حاصل ہونے والے عقائد واَفکار پوری ذمہ داری سے آنے والی نسلوں تک منتقل کرتے چلے آئے ہیں۔ اُنھوں نے اِس سلسلے میں کسی تساہل، مداہنت یا مصلحت کو کبھی آڑے نہیں آنے دیا۔ اکابر اہل سنت کی انھی مخلصانہ کاوشوں کا نتیجہ ہے کہ الحمدللہ آج یہ دین صحیح شکل میں ہمارے پاس موجود ہے۔ **جزاھم اللہ احسن الجزاء**

عقیدہ خلافت راشدہ ''ضروریاتِ اہل سنت'' میں سے ہے:

''عقیدہ خلافت راشدہ موعودہ فی القرآن'' کو اکابر اہل سنت نے ''ضروریاتِ اہل سنت'' میں شمار کیا ہے۔ یعنی اہل سنت اور راہِ نجات والے طبقہ میں شمولیت کے لیے اِس عقیدہ کو جاننا اور ماننا لازم ہے۔ اور اِس عقیدہ سے لاعلمی یا اس کا اِنکار انسان کو اہل سنت خارج کر دیتا ہے۔ لہٰذا سنی عوام کے لیے ضروری ہے کہ وہ اہتمام سے یہ عقیدہ خود بھی سمجھیں اور اپنے اہل خانہ و متعلقین کو بھی سمجھائیں۔

خلیفہ راشد کی دس شرائط صرف چار (۴) حضرات میں پوری پوری پائی جاتی ہیں:

چودہ صدیوں کے اکابر اہل سنت کی تحقیقات وتصریحات کے مطابق خلافتِ راشدہ کے مصداق صرف اور صرف چار یار ہیں، یعنی سیدنا ابوبکر صدیق، سیدنا عمر فاروق اعظم، سیدنا عثمان ذوالنورین، سیدنا علی المرتضیٰ شیر خدا رضی اللہ عنہم۔ ان چاروں کو خلفائے راشدین، خلفائے اربعہ اور ''چار یار'' کہتے ہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کی بیان کردہ جن دس شرائط کا اِجمالی تذکرہ گزشتہ سطور میں گزرا ہے،

ان شرائط کو مدنظر رکھتے ہوئے بھی وہی نتیجہ نکلتا ہے جو چودہ سوسالہ اہل سنت کا نظریہ ہے۔ لہٰذا حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کی یہ تحقیق چودہ سوسالہ اہل سنت کے عقیدہ ونظریہ کے بالکل مطابق ہے۔

خلفائے راشدین کا اجتہاد صحابہ کے اجماع کے بعد معصوم اور ''سنت'' میں شامل ہے:

مذکورہ چار حضرات یعنی خلفائے راشدین کو شریعت محمدیہ میں اِس قدر اہمیت اور عنداللہ فضیلت حاصل ہے کہ اُنہوں نے اپنے اجتہاد سے جو فیصلے فرمائے اور اُن فیصلوں پر صحابہ کا اجماع ہوگیا تو وہ فیصلے قرآن پاک اور حدیث متواتر کی طرح نص قطعی، حجت شرعیہ اور غلطی سے معصوم ہیں۔ اِس لیے اِن کا جاری کردہ طریقہ بھی ''سنت'' کہلاتا ہے۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ساتھ ساتھ ان حضرات خلفائے راشدین کے طریقہ کو بھی ''سنت'' کا نام دیا ہے۔ جبکہ بعد کے مجتہدین خلفاء کے اجتہاد کو یہ مرتبہ حاصل نہیں۔

اہل سنت دیگر خلفاء صحابہ کی خلافت کے اِنکار یا بے ادبی کو جائز نہیں سمجھتے:

حضرات صحابہ کرام میں سے کل سات (۷) حضرات خلیفہ ہوئے۔ سابقہ سطور میں گزر چکا ہے کہ خلافتِ خاصہ (خلافت راشدہ) کے مصداق صرف چار حضرات ہیں۔ لیکن اہل سنت باقی خلفاء صحابہ یعنی سیدنا امام حسن، سیدنا امیر معاویہ اور سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم کی خلافت کو خلافتِ حقہ، خلافت عادلہ اور اِن حضرات کو وصفِ صحابیت میں راشد بلکہ ائمہ رُشد وہدایت تسلیم کرتے ہیں۔ اور ان کی خلافت کے اِنکار یا بے ادبی کو ہرگز جائز نہیں سمجھتے۔

جیسے ''عشرہ مبشرہ'' کی اصطلاح سے یہ لازم نہیں آتا کہ صرف یہی دس صحابہ جنتی ہیں، اور باقی صحابہ نعوذ باللہ جنتی نہیں ہیں، بلکہ عشرہ مبشرہ کی اصطلاح سے مراد صرف یہ ہے کہ اِن دس خوش نصیب صحابہ کو ایک ہی مجلس میں نام بنام جنت کی بشارت ملی، جبکہ باقی صحابہ کو اُس مجلس میں یہ بشارت نہیں ملی۔ اِسی طرح خلیفہ راشد کی اصطلاح سے بھی یہ لازم نہیں آتا کہ باقی خلفاء صحابہ نعوذ باللہ لغوی معنی میں اور وصفِ صحابیت میں بھی راشد نہیں ہیں۔ بلکہ اس اِصطلاح کا صرف یہی مطلب ہے کہ قرآن پاک میں جس خلافت کا وعدہ کیا گیا ہے، اس کا مصداق چار حضرات ہیں۔

(1)-خلافت خاصہ کی شرائط کی تفصیل: پہلی شرط: ایمان

خلافت خاصہ کی پہلی شرط ایمان لانا ہے۔

قرآنی وعدہ خلافت اہل ایمان سے ہے:

اللہ تعالیٰ نے آیتِ استخلاف میں خلافت کا وعدہ صرف اور صرف ایمان والوں سے کیا ہے۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: **وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِينَ اٰمَنُوا مِنكُم.... الخ** (النور: ۵۵) (ترجمہ: تم میں سے جو لوگ

ایمان لائے ہیں اور جنہوں نے نیک عمل کیے ہیں، ان سے اللہ نے وعدہ کیا ہے کہ وہ انہیں ضرور زمین میں اپنا خلیفہ بنائے گا۔) اِس آیت میں وعدۂ خلافت ایمان والوں سے ہے۔ معلوم ہوا کہ خلافتِ خاصہ (خلافتِ راشدہ) کی پہلی شرط **ایمان** ہے۔ غیر مؤمن شخص خلیفہ نہیں ہوسکتا۔

(2)-دوسری شرط: قریشی ہونا

خلافت راشدہ موعودہ فی القرآن کی دوسری شرط قریشی ہونا ہے۔

ابراہیم علیہ السلام میں بعد کی پوری انسانیت کے لیے کشور کشائی:

اِرشادِ باری ہے: **فَقَدْ اٰتَيْنَآ اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ اٰتَيْنٰهُمْ مُّلْكًا عَظِيْمًا.** [نسـاء: ۵۴] (ترجمہ: ہم نے تو ابراہیم کے خاندان کو کتاب اور حکمت عطا کی تھی اور انھیں بڑی سلطنت دی تھی۔) اس سے یہ رہنمائی ملتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم میں؛ بعد کی پوری انسانیت کی کشور کشائی رکھی ہے۔ لہٰذا اُن کے بعد (۱)-**نبوت** اور (۲)-**خلافت** دونوں نعمتیں اُن کی اولاد میں چلی آئی ہیں۔

بعض کتب تاریخ کے مطابق حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تین بیویاں (سارہ، ہاجرہ اور قطورا) تھیں۔ اور ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں ۸ ربیٹوں کا تذکرہ ملتا ہے۔ جنھیں ہم تین حصوں میں تقسیم کریں گے، لیکن قارئین کی سہولت کے لیے ترتیب تاریخی یا رُتبی نہیں ہوگی۔

[۱]-حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سب سے چھوٹی بیوی حضرت قطوُرؓا سے چھ بیٹے تھے، جن میں **مدینؑ** نام کے فرزند بھی شامل ہیں۔ جن کی نسل **''اصحابِ مدین''** اور **''بنی قطورا''** کے نام سے پہچانی جاتی ہے، جو حجاز وشام کے سرحدی علاقے میں تبوک کے قریب جا کر آباد ہوئی۔

[۲]-حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دوسرے بیٹے حضرت **اسحاق علیہ السلام** بڑی بیوی حضرت سارہؓ کے فرزند تھے، جو فلسطین میں مقیم رہے۔ ان کی اولاد اسحاق علیہ السلام کے فرزند، ابراہیم علیہ السلام کے پوتے حضرت **یعقوب علیہ السلام** کی نسبت سے **''آل یعقوب''** اور **''بنی اسرائیل''** کے نام سے مشہور ہوئی۔

[۳]- جبکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سب سے بڑے بیٹے حضرت **اسماعیل ذبیح اللہ علیہ السلام**؛ دوسری بیوی حضرت ہاجرہؓ کے فرزند تھے۔ جو مکہ مکرمہ میں جا کر آباد ہوگئے۔ ان کی اولاد **''آل اسماعیل''** یا **''بنی اسماعیل''** کے نام سے معروف ہوئی۔

گویا ابراہیم علیہ السلام کی اولاد کی تین شاخیں ہیں: بنی قطورا، بنی اسرائیل اور بنی اسماعیل۔

۱- بنی قطورا میں تو صرف ایک ہی نبی ہوئے، یعنی حضرت شعیب علیہ السلام۔

۲- جبکہ یعقوب علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک (حضرت شعیب علیہ السلام

کے علاوہ) تمام کے تمام انبیاء حضرت اسحاق کی اولاد میں سے ہی ہیں۔ اِسی طرح اِس پورے زمانہ میں خلفاء بھی ''آل اسحاق'' یعنی ''بنی اسرائیل'' میں سے ہی ہوئے۔

۳- حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد اللہ تعالیٰ نے نبوت اور خلافت دونوں نعمتیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد کی تیسری شاخ بنی اسماعیل کی طرف منتقل کر دیں، یعنی اَب تک نبوت وخلافت کے جو دونوں سلسلے بنی اسرائیل میں چلے آ رہے تھے، اَب بنی اسرائیل سے بنی اسماعیل کی طرف منتقل ہو گئے۔ لہٰذا سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے بعد نبوت وخلافت بنی اسماعیل کا حق ٹھہرا۔ چنانچہ آخری نبی خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم بھی بنی اسماعیل (کی ایک شاخ ''قریش'' کے ایک بااثر قبیلہ ''بنو ہاشم'') میں سے ہیں۔ اور آپ کے بعد خلفاء بھی بنی اسماعیل (کی شاخ قریش) میں سے ہی ہو سکتے ہیں۔ اِس لیے خلافت خاصہ کی شرائط میں سے ایک شرط قریشی ہونا بھی ہے۔ بنی اسرائیل یا دیگر قوموں کے لوگ خلافتِ خاصہ کے حق دار نہیں ہیں۔

مذکورہ بالا سطور سے یہ معلوم ہو گیا کہ ابراہیم علیہ السلام کے بعد جتنے بھی انبیاء آئے وہ سب کے سب اولادِ ابراہیم ہی میں تھے۔ اِسی طرح خلافت بھی اولادِ ابراہیم کا ہی حق ہے۔

نبوت وخلافت کبھی یکجا، کبھی الگ الگ:

لیکن اللہ تعالیٰ کا ابتدائے دنیا سے یہ دستور رہا ہے کہ کبھی یہ دونوں نعمتیں یکجا کر کے ایک ہی شخصیت کو نبوت وخلافت دونوں چیزوں سے سرفراز فرما دیا، اور کبھی دونوں نعمتیں الگ الگ کر دیں۔ چنانچہ قرآن مجید میں اِس کی مثالیں موجود ہیں:

مثال ۱:- سیدنا آدم علیہ السلام نبی بھی تھے اور خلیفہ بھی۔ آدم علیہ السلام کی تخلیق سے قبل اللہ پاک نے فرشتوں سے فرمایا: **اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً.** [البقرہ] (ترجمہ: میں زمین میں خلیفہ بنانے والا ہوں۔) چنانچہ آدم علیہ السلام کو نبی اور خلیفہ بنا کر بھیجا۔

مثال ۲:- حضرت داؤد علیہ السلام بھی نبوت وخلافت دونوں نعمتوں سے سرفراز ہوئے۔ قرآن پاک میں ہے: **یٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰکَ خَلِیْفَةً فِی الْاَرْضِ فَاحْکُمْ بَیْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ.** [ص] (ترجمہ: اے داؤد! ہم نے آپ کو زمین میں خلیفہ بنایا ہے، لہٰذا لوگوں کے درمیان برحق فیصلے کیجیے!)

مثال ۳:- مشہور زمانہ بادشاہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو بھی تاجِ نبوت اور تاجِ خلافت عطا ہوا، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: **وَ وَرِثَ سُلَیْمٰنُ دَاوٗدَ.** [النمل] (ترجمہ: اور سلیمان کو داؤد کی وراثت ملی!)

مثال ۴:- سیدنا یوسف علیہ السلام کا قصہ بھی مشہور ہے کہ اُن کو بھی نبوت وخلافت دونوں نعمتیں عطا ہوئیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: **وَ کَذٰلِکَ مَکَّنَّا لِیُوْسُفَ فِی الْاَرْضِ.** [یوسف] (ترجمہ: اور

اس طرح ہم نے یوسف کو ملک میں اقتدار عطا کیا۔) اِن چاروں مثالوں میں فردِ واحد کو یعنی ایک ہی شخصیت کو دونوں نعمتیں ملنے کا تذکرہ ہے۔ یعنی ان مثالوں میں دونوں نعمتیں یکجا ہونے کا تذکرہ ہے۔ اِسی طرح نبوت وخلافت کے الگ الگ ہونے کی مثال بھی قرآن پاک میں موجود ہے۔

مثال ۵:- بنی اسرائیل کی ایک شاخ ''بنیامین'' کی لڑی میں سے ایک شخصیت جناب طالوت کو اللہ تعالیٰ نے خلافت عطا فرمائی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: **اِنَّ اللّٰہَ قَدۡ بَعَثَ لَکُمۡ طَالُوۡتَ مَلِکًا** [البقرہ] (ترجمہ: اللہ نے تمہارے لیے طالوت کو بادشاہ بنا کر بھیجا ہے۔) لیکن حضرت طالوتؒ نبوت سے سرفراز نہیں ہوئے۔ لہٰذا وہ صرف خلیفہ ہوئے۔ اِسی طرح بہت سے انبیاء ایسے ہوئے جنھیں خلافت وحکومت نہیں ملی۔ یعنی وہ نبی تو تھے لیکن خلیفہ اور حاکم نہیں تھے۔ یہ مثالیں دونوں نعمتوں کے الگ الگ ہونے کی ہو گئیں۔

جس خاندان اور لڑی میں نبوت، اسی میں خلافت:

حضرت طالوت والی مثال سے یہ واضح ہوا کہ جب تک نبوت ''بنی اسرائیل'' میں تھی، خلافت و حکومت بھی ''بنی اسرائیل'' میں رہی۔ چاہے شاخ کوئی دوسری ہو۔ لیکن لڑی ایک ہی رہی۔ گویا اللہ تعالیٰ نے جس خاندان اور لڑی میں نبوت کا سلسلہ جاری فرمایا اُسی لڑی میں خلافت کا سلسلہ بھی رکھا۔

نبوت کے ساتھ ساتھ خلافت بھی بنی اسماعیل کی طرف منتقل ہوگئی:

اور جب نبوت بنی اسرائیل سے ''بنی اسماعیل'' کی طرف منتقل ہوگئی تو خلافت وحکومت بھی ساتھ ہی اُدھر چلی گئی۔ چنانچہ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے نبوت سے بھی سرفراز فرمایا اور خلافت سے بھی! علمائے امت کا اتفاق ہے کہ ہجرت کے بعد جب ''میثاق مدینہ'' نامی معاہدہ ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حاکم وخلیفہ بھی تسلیم کرلیا گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت کا دروازہ تو بند ہے، لیکن خلافت کا سلسلہ جاری ہے، اور اَب خلافت کے حق دار ''بنی اسماعیل'' ہی ہیں۔ بنی اسرائیل نہیں۔

بنی اسماعیل میں سے قریش کا انتخاب خدا تعالیٰ کا تکوینی فیصلہ ہے:

اور بنی اسماعیل کی مختلف شاخوں میں سے ''بنی کنانہ'' کا انتخاب اور ''بنی کنانہ'' کی شاخوں میں سے ''قریش'' کا انتخاب اور ''قریش'' میں سے ''بنو ہاشم'' کا انتخاب اللہ تعالیٰ کا تکوینی فیصلہ ہے۔

حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ کے مشن کو چلانے اور کارِ نبوت کو سرانجام دینے کے لیے ''بنی اسماعیل'' کی شاخ کے لوگوں کو خلافت کی نعمت عطا ہوگی؟ یہ بات اللہ پاک کے علم میں تو تھی ہی، اللہ تعالیٰ نے سابقہ آسمانی کتب وصحائف میں اس کی بہت سی تفصیلات نازل فرمادی تھیں۔ سابقہ کتب سماویہ میں بے انتہاء تحریف کے باوجود اُن میں خلافت نبوت اور اس کے تاج داروں کی اتنی تفصیلات موجود

تھیں کہ یہود ونصاریٰ کے احبار ورہبان آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ کے جانشین اور خلیفہ مقرر ہونے والوں کے ناموں، کارناموں اور علامات وغیرہ تک کو جانتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کے ان تکوینی فیصلوں میں یہ بات بھی شامل ہے کہ آخری قریشی ہاشمی نبی کے خلفاء بھی قریشی ہی ہوں گے۔

احادیث طیبہ سے قریش کے حق دارِ خلافت ہونے کا ثبوت:

احادیث طیبہ سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ خلافت خاصہ صرف اور صرف قریش کا حق ہے۔ اور خلیفہ راشد ہونے کے لیے قریشی ہونا ضروری شرط ہے۔ ائمہ حدیث نے کتب احادیث میں ''مناقب قریش'' کے ابواب قائم فرمائے ہیں اور حدیث: **"الائمة من قریش"** (خلفاء قریش سے ہوں گے۔) نقل فرمائی ہے۔

اِس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ خلافت کے اولین حق دار قریشی ہیں۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ خلافت خاصہ (خلافتِ راشدہ) کی ٔایمان کے بعد دوسری شرط قریشی ہونا ہے۔

(3)-تیسری شرط: مظلومیت

خلافت راشدہ موعودہ فی القرآن کی تیسری شرط مظلوم ہونا ہے۔

مظلوموں کو خلافت ملنے کی وجہ فریضہ جہاد کی ادائیگی میں آسانی:

حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ خلافت راشدہ کی ایک شرط ''**مظلومیت**'' بھی ہے۔ اِس لیے کہ جن صحابہ پر محض قبول اسلام کی وجہ سے ظلم وستم ہوا، اور انہوں نے بحکم خداوندی اسے برداشت کیا، تو اُن کے اِس صبر کا انعام اور اُن پر ہونے والے ظلم کا مداویٰ یہ ہے کہ دوسرے صحابہ کے بجائے ان کو خلافت کا حق دار قرار دیا جائے۔ تاکہ نعمت خلافت سے سرفراز ہوکر جہاد جیسے حکم پر بہ آسانی عمل پیرا ہوسکیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کی آیت تمکین میں جہاں خلفاء کی صفات کی پیشین گوئی فرمائی ہے، وہاں اُن کی مظلومیت کا تذکرہ بھی فرمایا ہے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے: **أُذِنَ لِلَّذِينَ يُقَاتَلُونَ بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوا وَإِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيرٌ [الحج]** (ترجمہ: جن لوگوں سے جنگ کی جارہی ہے انھیں اجازت دی جاتی ہے کہ وہ اپنے دفاع میں لڑیں، کیونکہ ان پر ظلم کیا گیا ہے۔ یقیناً اللہ ان کو فتح دلانے پر پوری طرح قادر ہے۔)

لہٰذا خلافت راشدہ کی تیسری شرط مظلوم ہونا ہے۔

(4)-چوتھی شرط: ہجرت

اور خلافت راشدہ موعودہ فی القرآن کی چوتھی شرط ہجرت کرنا ہے۔

خلافت کی قرآنی پیشین گوئی میں مہاجرین کا تذکرہ ہے:

مذکورہ بالا آیتِ تمکین کے ساتھ جہاں خلفاء کی مظلومیت کا تذکرہ ہے، وہیں اِس بات کا بھی

تذکرہ ہے کہ اُنھیں ناحق ستا کر گھروں سے نکلنے یعنی ہجرت کرنے پر مجبور کیا گیا۔ اِرشادِ ربانی ہے: **اَلَّـذِيْـنَ اُخْـرِجُـوْا مِـنْ دِيَـارِهِـمْ بِغَيْرِ حَقٍّ.[الحج]** (ترجمہ: یہ وہ لوگ ہیں جنہیں ناحق اپنے گھروں سے نکالا گیا۔[ہجرت پر مجبور کیا گیا]) معلوم ہوا کہ وعدۂ خلافت تمام صحابہ سے نہیں بلکہ صرف مہاجر صحابہ سے ہے۔

نیز حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ اِس مقام پر مزید یہ بھی فرماتے ہیں کہ وعدۂ خلافت تمام مہاجرین سے بھی نہیں صرف مہاجرین اولین سے ہے۔

(5)- پانچویں شرط: دونوں قبلوں کی طرف نمازیں پڑھنا

خلافت موعودہ کی پانچویں شرط قبلتین کی طرف نمازیں پڑھنا ہے۔

تحویلِ قبلہ کے وقت بلا چوں چرا اِطاعت کرنے والے ہی جانشینی کے مستحق:

اللہ تعالیٰ کی کامل بندگی عبادات کے بغیر ممکن نہیں، اِس لیے قرآن پاک میں ہر جگہ ''ایمان'' کے ساتھ ''نیک اعمال'' تذکرہ بھی آیا ہے،:''**آمـنـوا وعملوا الصلحت**''.اور عبادات میں اہم ترین عبادت ''نماز'' ہے۔ نماز سے اللہ تعالیٰ کے سامنے جھکنے اور سرِ تسلیم خم کرنے کا نمونہ سامنے آتا ہے جس سے اطاعت اور فرمانبرداری ظاہر ہوتی ہے۔

یہود و نصاریٰ کو اصل تکلیف تو یہی تھی کہ نبوت و خلافت کا سلسلہ بنی اسرائیل سے ''بنی اسماعیل'' کی طرف کیوں منتقل ہو گیا ہے، اِسی لیے وہ سرکارِ دوعالم ﷺ اور اُن کے ماننے والوں سے حسد کرتے تھے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے: **اَمْ يَحْسُدُوْنَ النَّاسَ عَلٰى مَا اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ.[النساء]** (ترجمہ: یا یہ لوگوں سے اس بنا پر حسد کرتے ہیں کہ اللہ نے ان کو اپنا فضل (کیوں) عطا فرمایا ہے؟) حالانکہ اللہ تعالیٰ نے عالمی نبی (خاتم النبیین ﷺ) کی ذاتِ اقدس کو قیامت تک کے تمام زمانوں اور تمام علاقوں کے لیے نبی بنا کر آلِ براہیم کی جملہ لڑیوں بالخصوص ''بنی اسرائیل'' و ''بنی اسماعیل'' کو بھی ایک ہی دین و شریعت پر جمع فرما دیا۔

اللہ پاک صحابہ کرام کی اطاعت، فرمانبرداری اور حکمِ الٰہی کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنے کے نمونے دِکھلا دِکھلا کر صحابہ کی شان ظاہر کرتے تھے کہ یہی لوگ اِس لائق ہیں کہ اللہ کی زمین پر اللہ کے نائب کہلا سکیں۔ یعنی من چاہی زندگی گزارنے والے اِس لائق نہیں بلکہ خدا چاہی زندگی گزارنے والے اِس لائق ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے صحابہ کرام کی شان ظاہر ہونے پر یہود و نصاریٰ کے حسد و بغض میں اضافہ ہو جاتا تھا۔

بیت المقدس اب تک قبلہ بنی اسرائیل چلا آتا تھا، پھر مسلمان اللہ تعالیٰ کے حکم سے کچھ عرصہ بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے رہے، تاکہ مسلمانوں کے دِلوں میں اس کی محبت و عقیدت جم جائے اور بنی اسرائیل (یہود و نصاریٰ) کے لیے بھی دینِ اسلام قبول کرنا آسان ہو، کیونکہ نماز کا قبلہ تبدیل کر لینا

کوئی آسان کام نہیں تھا۔

لیکن جب یہود نے اِس سہولت سے فائدہ نہ اُٹھایا تو اللہ پاک نے دوبارہ بیت اللہ شریف کی طرف رُخ کرنے کا حکم دے کر یہود کو دِکھادیا کہ صحابہ کرام اطاعت اور تابعداری کے اس اعلیٰ مقام پر ہیں کہ وہ تبدیلی قبلہ کے مشکل مرحلے سے بھی بہ آسانی گزر گئے اور ہر طرح کامیاب وکامران ٹھہرے۔

نیز گزشتہ آسمانی کتابوں میں بھی اس بات کی تصریح موجود تھی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی خوشخبری کا مظہر ومصداق وہی پیغمبر ہوگا جو قبلتین کی طرف رخ کرے گا۔ اِس طرح بنی اسرائیل پر ایک اور حجت تمام ہوگئی کہ یہی آخری برحق پیغمبر ہیں۔ جن کی اطاعت لازمی ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ تحویل قبلہ کے اس مشکل حکم کے وقت جو لوگ مطیع ہوئے، یہی مزاج شناس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، لہٰذا یہی لوگ جانشینی کے بھی مستحق ہیں۔

حضرت مولانا عصمت شاہ کاظمی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کو اللہ پاک نے وہبی طور پر جو علوم عطا فرمائے تھے، اُنہی علوم میں سے ایک خلافتِ راشدہ کی یہ پانچویں شرط بھی ہے۔

(6)-چھٹی شرط: بدری ہونا

خلافت راشدہ موعودہ فی القرآن کی چھٹی شرط بدری ہونا ہے۔

قرآنی پیشین گوئی میں اشارہ ہے کہ خلیفہ وہ ہو جو ہر اہم غزوہ خصوصاً بدر میں شریک ہو:

آیت تمکین کے ساتھ جہاں اللہ تعالیٰ نے خلفاء کی صفات میں ”ہجرت“ و ”مظلومیت“ کا تذکرہ فرمایا ہے، وہیں: وَ اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی نَصۡرِھِمۡ لَقَدِیۡرُ. [۳۹:حج] بھی فرمادیا کہ اللہ پاک اِن مظلوموں کی ”نصرت“ پر پوری طرح قدرت رکھتے ہیں، لہٰذا اِن کی مدد کر کے دنیا کو دکھلا دیں گے۔ چنانچہ غزوۂ بدر میں اس نصرتِ الٰہی کا کامل نمونہ سامنے آیا۔ اور پھر صرف بدر ہی نہیں، اس کے بعد کے معرکوں میں دنیا نے دیکھا کہ مکہ والوں کی کمر ٹوٹ گئی اور صلح حدیبیہ کے بعد جہالت کے اندھیرے چھٹ گئے، اہل ایمان کو دعوتِ ایمان عام کرنے کے مواقع میسر آ گئے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: آیت تمکین کے متصل خلفاء کے اوصاف کے تذکرے میں [۱]-ہجرت [۲]-مظلومیت کے ساتھ ساتھ [۳]-نصرت الٰہی کا تذکرہ اِس بات کی دلیل ہے کہ خلیفہ راشد وہی ہوسکتا ہے جسے اللہ کی خصوصی مدد اور نصرت کے مواقع میں شرکت نصیب ہوئی ہو۔ اور ان مواقع میں سب سے اہم غزوۂ بدر ہے۔

نیز بدر کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی لختِ جگر سیدہ رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بستر علالت پر تھیں،

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ کی چاہت کے باوجود ان کو سیدہ رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی تیمارداری کے لیے مدینہ میں رہنے کا حکم دیا۔ مشہور روایت کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وسلم ۳۱۳ صحابہ کرام کو لے کر بدر میں جا پہنچے، غزوۂ بدر کے بعد جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں پہنچے تو سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہو چکا تھا اور قبر پر مٹی ڈالی جا چکی تھی، آپؐ نے ان کے لئے مغفرت کی دعا فرمائی، اور حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کو بدر کے مال غنیمت میں سے حصہ عطا فرما کر گویا لوگوں کو سمجھا دیا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بھی عنداللہ ''اَصحابِ بدر'' میں شامل ہیں۔

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا سیدنا عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کو اصحابِ بدر میں شامل فرمانا بھی اِس بات کی دلیل ہے کہ خلافت خاصہ کے حق دار وہی ہیں جو ''بدری'' ہیں۔

نیز شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ اِس مقام پر یہ بھی فرماتے ہیں کہ: خلیفہ راشد کے لیے صرف بدری ہونا کافی نہیں بلکہ ہر اہم غزوہ میں اُس کی شرکت ضروری ہے۔ یعنی خلافت راشدہ کا حق دار وہی ہے جو تمام اہم غزوات میں سرکارِ دو عالمؐ کے ہمراہ ہو۔ اور یہ اعزاز صرف اور صرف خلفاء اربعہ کو ہی حاصل ہے۔

(7)- ساتویں شرط: سورۂ نور کے نزول کے وقت مدینہ منورہ میں موجودگی

خلافت راشدہ موعودہ فی القرآن کی ساتویں شرط سورۃ النور کے نزول کے وقت مدینہ منورہ میں موجود ہونا ہے۔

منافقین کے طعنے والزام سہہ جانے والے ہی خصوصی انعام کے مستحق ہیں:

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ اور امام اہل سنت علامہ عبد الشکور لکھنوی رحمہ اللہ نے خلافت خاصہ کی شرائط میں ایک شرط یہ بھی بیان کی ہے کہ خلافت راشدہ کا حق دار وہ ہے جو سورۃ النور کے نزول کے وقت مدینہ منورہ میں موجود ہو۔

صاحبِ افادات مولانا سید عصمت شاہ کاظمی رحمہ اللہ اِس مقام پر حضرت شاہ ولی اللہؒ اور علامہ لکھنویؒ کی ذکر کردہ شرط کی تائید کرتے ہوئے اپنے ذوق کے مطابق درج ذیل تفصیل ذکر فرمائی ہے:

قرآن مجید میں غور کرنے سے یہ واضح ہوتا ہے کہ وعدۂ خلافت کی آیت یعنی آیت استخلاف سورۂ نور میں ہے۔ اور گزشتہ صفحات میں ہم نے ایک آیت ذکر کی ہے جو سورۂ نساء میں ہے۔ سورۂ نور اور سورۂ نساء دونوں سورتیں ہجرت کے بعد نازل ہوئیں۔ اِن کے اسباب نزول پر نگاہ دوڑائی جائے تو مدینہ شریف کا اُس وقت کا جو نقشہ سامنے آتا ہے وہ کچھ اِس طرح ہے کہ:

جب آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ماننے والے (مہاجر صحابہ) ہجرت کر کے مدینہ

طیبہ تشریف لائے تو اس وقت مدینہ طیبہ میں تین طرح کے لوگ تھے: [۱]- مقامی باشندوں کے دو بڑے قبیلوں ''اوس'' اور ''خزرج'' کے وہ لوگ جو ابھی تک مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ [۲]- قبیلہ ''اوس'' اور ''خزرج'' کے اکثر افراد جو اسلام قبول کر چکے تھے۔ [۳]- یہود کے تین قبیلے: بنوقینقاع، بنونضیر اور بنوقریظہ۔ [۴]- آپ ﷺ کی تشریف آوری کے بعد ایک چوتھا گروہ بھی پیدا ہوگیا۔ یعنی منافقین۔

''اوس'' اور ''خزرج'' کی طویل عرصہ سے آپس میں جنگیں چل رہی تھیں، بے شمار افراد ان جنگوں کی بھینٹ چڑھ چکے تھے، دونوں ایک دوسرے کے سخت جانی دشمن تھے، اِسی لیے ''خزرج'' والوں نے یہودیوں کے قبیلہ ''بنوقینقاع'' سے دوستانہ تعلق قائم کرکے اُنھیں اپنا ''حلیف'' بنا رکھا تھا۔ جبکہ ''اوس'' والوں نے اُن کے مقابلے میں ''بنونضیر'' اور ''بنوقریظہ'' کو اپنا ''حلیف'' بنا رکھا تھا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ طیبہ تشریف آوری سے قبل مقامی حکومت اور سرداری کے لیے ''عبداللہ بن ابی بن سلول'' کو نامزد کیا جاچکا تھا، لیکن تاج پوشی کی رسمی تقریب ابھی باقی تھی، جس کے لیے ہیرے جواہرات کا ایک تاج بھی تیار تھا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو آپؐ نے ''اوس'' اور ''خزرج'' کے مقامی باشندوں کی آپس میں مصالحت کرادی، پرانی رنجشیں ختم ہوئیں، اسلام کے جھنڈے تلے سب متحد ہوگئے۔ پھر مہاجرین و انصار کے درمیان بھائی چارہ قائم ہوا۔ ''اوس'' اور ''خزرج'' کی اکثریت چونکہ اسلام لا چکی تھی، لہٰذا اُن کے باہمی اتفاق سے سرداری کے لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو منتخب کرلیا گیا۔ یوں حکومت اور سرداری آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حصہ میں آگئی اور عبداللہ بن اُبی بن سلول اپنا سا منہ لے کر رہ گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑے تدبر اور حکمتِ عملی کے ساتھ تمام فریقوں کو بٹھا کر ''میثاق مدینہ'' نامی معاہدہ طے کیا۔

عبداللہ بن اُبی اور اس کے قریبی ساتھیوں نے جب دیکھا کہ اِس وقت کا چلتا سکہ ''اِسلام'' ہے تو اُنھوں نے بھی بظاہر ''اسلام'' قبول کرلیا۔ لیکن اندرونِ خانہ سرکار دوعالم ﷺ اور مہاجر صحابہ اُن کی آنکھوں میں خار بن کر کھٹکنے لگے، چنانچہ منافقین کے اِس گروہ نے یہود و مشرکین کے ساتھ مل کر مسلسل مسلمانوں کو نقصان پہنچانے اور مدینہ سے نکالنے کے مشن پر کام شروع کردیا۔ اُنھوں نے اپنے مقصدِ بد کے لیے ایک مسجد بھی تعمیر کرڈالی جسے ''مسجدِ ضرار'' کہا جاتا ہے۔

منافقین نے غور کیا کہ مسلمانوں میں سب سے اہم لوگ کون ہیں؟ تاکہ اُن کو بدنام کرکے وہاں نکالنے کی کوشش کی جائے۔ منافقین کی ان سازشوں کا پردہ قرآن کریم نے اِن الفاظ میں بھی فاش کیا:

يَقُولُونَ لَئِنْ رَّجَعْنَا اِلَى الْمَدِينَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ وَ لِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَ لِرَسُوْلِهٖ وَ

لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَ لٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ [۸/المنافقون] (ترجمہ: وہ کہتے ہیں: قسم ہے اگر ہم مدینہ کی طرف لوٹ کر گئے تو ضرور جو بڑی عزت والا ہے وہ اس میں سے نہایت ذلت والے کو نکال دے گا حالانکہ عزت تو اللہ اور اس کے رسول اور مسلمانوں ہی کے لیے ہے مگر منافقوں کو معلوم نہیں۔)

چنانچہ غور وخوض کے بعد منافقین کو اندازہ ہو گیا کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور اُن کے چار قریبی صحابہ مسلمانوں میں مرکزی حیثیت کے حامل ہیں۔ منافقین نے موقع تلاش کر کے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگا دی اور پروپیگنڈے کا بازار اِس قدر گرم کر دیا کہ الامان والحفیظ! اُنھوں نے حقیقی معنوں میں اِس محاورے پر عمل کیا کہ: ''ایک جھوٹ کو اتنی کثرت سے بولو کہ وہ سچ معلوم ہونے لگے۔''

ذرا سوچیے کہ کیا منافقین کی سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے کوئی ذاتی دشمنی تھی؟ ہرگز نہیں! اُنھیں تو موقع ہاتھ آیا تھا کہ لگے ہاتھوں سرکارِ دو عالم اور ان کے خاص رفیقوں کو بدنام کر دیا جائے۔ کیونکہ معاشرے کا دستور ہے کہ ایسی تہمت لگے تو [۱]- جس گھرانے پر تہمت ہو وہ تو بدنام ہوتا ہی ہوتا ہے، اس کے ساتھ مزید دو گھرانے بھی بدنامی کی لپیٹ میں آتے ہیں: [۲]- جنھوں نے اس گھرانے سے رشتے لیے ہوں۔ [۳]- جنھوں نے اس گھرانے میں رشتے دیئے ہوں۔ منافقین کا نشانہ حضور کا گھرانہ تھا، حضور کے گھر سے رشتہ لینے والے سیدنا عثمان وعلی کے گھرانے بھی تھے اور حضور کو رشتہ دینے والے صدیق وفاروق کے گھرانے بھی تھے۔ کیونکہ جب منافقین نے یہ الزام دھرا اُس وقت حضرت صدیق وفاروق رضی اللہ عنہما کی صاحبزادیاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں تھیں اور حضرت عثمان وعلی رضی اللہ عنہما آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے داماد بن چکے تھے۔ منافقین انھی تین قسم کے خاندانوں کو بدنام کرنا چاہتے تھے۔ یوں منافقین ایک تیر سے کئی شکار کرنا چاہتے تھے۔ لیکن اللہ پاک کو یہ کب منظور تھا کہ سرکار دو عالم، اُن کے گھرانے یا اُن کے قریبی رفقاء پر ایسا کوئی الزام باقی رہ سکے چنانچہ سورۂ نور نازل ہوئی، اور سازش ناکام ہوگئی۔ اُسی میں صحابہ سے خلافت کا وعدہ فرمایا گیا۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: خلیفہ راشد کی شرائط میں سے یہ بھی ہے کہ سورۂ نور کے نزول کے وقت بحالتِ ایمان مدینہ طیبہ میں موجود ہو۔ اور منافقین کی طرف سے لگائے طعنوں کی تکلیف سہہ چکا ہو۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ اعلان منافقین کے لیے بطورِ سزا ''تکلیفِ مزید'' کا باعث تھا کہ: تم اپنی کھوئی ہوئی سرداری بحال کرنے کے لیے اوچھے ہتھکنڈے استعمال کر رہے ہو! یاد رکھو! حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دنیا سے جانے کے بعد بھی یہ سرداری تمھیں نہیں ملنے والی، بلکہ یہ اُنھی کو ملے گی جنھیں تہمت کے ذریعہ تم بدنام کر کے یہاں سے نکالنا چاہتے ہو!

(8)-آٹھویں شرط: جنت کی بشارت

خلافت راشدہ موعودہ فی القرآن کی آٹھویں شرط یہ ہے کہ نامزد طور پر جنت کی بشارت حاصل ہو، یعنی جو خلیفہ بنے وہ عشرہ مبشرہ میں سے ہو۔

سیدنا عمرؓ نے اپنے بعد خلیفہ کے لیے جو نام پیش کیے، سب عشرہ مبشرہ میں سے تھے:

اس کی دلیل سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا عمل ہے۔ جب ابولؤلؤ فیروز نے اُن کو زخمی کر دیا اور مزید زندگی کی اُمید باقی نہ رہی تو اُنھوں نے آٹھ (۸) رکنی کمیٹی تشکیل دی، جس میں: (۱)-حضرت عبداللہ بن عمر (۲)-حضرت سعید بن زید (۳)-حضرت عثمان غنی (۴)-حضرت علی المرتضٰی (۵)-حضرت طلحہ (۶)-حضرت زبیر (۷)-حضرت عبدالرحمان بن عوف (۸)-حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہم کو منتخب کیا اور ارشاد فرمایا: اِن میں سے پہلے دو خلافت کے سلسلہ میں مشورہ تو دے سکتے ہیں، لیکن ان کو خلافت نہیں ملے گی، باقی چھ (۶) اَفراد تھے، جو بالترتیب، عشرہ مبشرہ میں سے ہیں، اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اگر خلافت کا کوئی اور بھی حق دار ہوتا تو سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اس کو بھی شامل کرتے۔

سیدنا فاروق رضی اللہ عنہ کے اِس انتخاب کی بنیاد پر حضرت شاہ ولی اللہؒ نے خلافتِ راشدہ موعودہ فی القرآن کی شرائط میں جنت کی نامزد بشارت یعنی عشرہ مبشرہ میں سے ہونے کی شرط ذکر فرمائی ہے۔

(9)-نویں شرط: مدتِ خلافت تیس سال کے اندر ہونا

خلافتِ راشدہ موعودہ فی القرآن کی نویں شرط یہ ہے کہ: وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد تیس (۳۰) سال کے اندر ہو۔

حدیث کے مطابق خلافتِ نبوت (خلافت راشدہ) کی مدت تیس (۳۰) سال ہے:

جیسا کہ صحیح احادیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد موجود ہے: **عَنْ سَفِينَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "خِلَافَةُ النُّبُوَّةِ ثَلَاثُونَ سَنَةً، ثُمَّ يُؤْتِي اللَّهُ الْمُلْكَ مَنْ يَشَاءُ."** (رواہ ابوداوٗد) حضرت سفینہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ وسلم نے فرمایا کہ خلافتِ نبوت صرف تیس سال تک رہے گی اس کے بعد اللہ جس کو چاہے گا بادشاہت دے گا۔ (سنن ابی داود) ایک روایت مشکوۃ المصابیح میں بھی ہے، جس کے الفاظ یوں ہیں: **الخلافة من بعدی ثلاثون سنة.**

ان احادیث کو مدنظر رکھتے ہوئے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ اپنی کتاب **ازالة الخفاء عن خلافة الخلفاء** [۴۵۲/۱-۴۵۴] میں تحریر کرتے ہیں: چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد بلافصل حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ، خلیفہ ہوئے اور دو سال چار ماہ خلافت کی، پھر

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ، خلیفہ ہوئے اور دس سال چھ ماہ خلافت کی، پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے اور بارہ سال سے چند دن کم خلافت کے منصب پر فائز رہے، پھر حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ خلیفہ ہوئے اور چار سال نو ماہ خلافت کی پھر امام حسن رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے اور پانچ ماہ خلافت کی، یہ تیس سال پورے ہوگئے۔ امام حسن کی امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح ۱۵ر جمادی الاولی ۴۱ رہجری میں وقوع پذیر ہوئی جس سے خلافتِ راشدہ کی مدت تیس سال پوری ہوگئی اور اس کے بعد امارت اور حکومت یعنی سلطنت اور بادشاہت شروع ہوئی۔ (حضرت حسن کی خلافت مستقل نہیں تھی بلکہ خلافتِ علیؓ کا تتمہ تھی۔)

(10)-دسویں شرط: تادم آخر خلیفہ رہنا

خلافتِ راشدہ موعودہ کی دسویں شرط یہ ہے کہ خلیفہ تادم زیست (یعنی موت) تک خلیفہ رہے۔

سیدنا عثمان کا عمل دلیل ہے کہ خلیفہ راشد وہی ہے جو آخر دم تک خلیفہ ہو!

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ نے خلیفہ راشد کی شرائط میں آخری شرط یہ تحریر کی ہے، وہ خلیفہ خود استعفیٰ نہ دے، اور نہ اس کو کوئی معزول کرے۔ کیونکہ خلافت خاصہ ایک خصوصی اعزاز اور خاص نعمت خداوندی ہے۔ (کامل اعزاز اور نعمت تبھی ہوگی جب تادم آخر ہو!) اس پر حضرتؒ نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ کے عمل کو بطور دلیل پیش کیا ہے کہ: جب باغیوں نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ سے مطالبہ کیا کہ آپ خلافت سے دستبردار ہو جائیں تو آپؓ نے انکار کر دیا اور فرمایا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے مخاطب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا تھا: **يَا عُثْمَانُ! إِنَّهُ لَعَلَّ اللهُ يُقَمِّصُكَ قَمِيصًا فَإِنْ أَرَادُوكَ عَلٰى خَلْعِهِ فَلَا تَخْلَعْهُ لَهُمْ وَفِي الْحَدِيثِ قِصَّةٌ طَوِيلَةٌ.(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)وَ قَالَ هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ.** ”(ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے عثمان! اللہ تعالیٰ یقیناً تمہیں ایک قمیص (خلافت کی قمیص) پہنائے گا پس اگر لوگ اس کو اتارنا چاہیں تو تم ان کی خاطر اسے مت اتارنا۔) اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:”**إنما الاعمال بخواتيمها.**“ اعمال کا دارومدار خاتمے پر ہے۔ لہٰذا خلیفہ راشد وہی کہلا سکتا ہے جو تادم آخر خلیفہ ہو۔

اِس لیے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ نے خلافت راشدہ موعودہ فی القرآن کی دسویں شرط، یہ تحریر کی ہے کہ وہ خلیفہ آخری دم تک خلافت کے منصب پر فائز رہے۔

دیگر خلفاء صحابہ کی خلافت کا اِنکار یا بے ادبی جائز نہیں:

اِن شرائط کے آخر میں ہم ایک مرتبہ پھر عرض کریں گے اس تمام گفتگو سے کوئی یہ نتیجہ اخذ نہ کرے کہ ہم باقی خلفاء صحابہ کی خلافت کے اِنکاری ہیں۔ ہرگز ایسا نہیں! باقی تین خلفاء صحابہ کرام یعنی حضرت سیدنا امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی

اللہ تعالیٰ عنہ کی بھی خلافت برحق ہے اور دیگر تمام صحابہ کی طرح یہ صحابہ بھی وصفِ صحابیت میں راشد ہیں۔لیکن جس خلافت کا وعدہ قرآنی ہے اُس کے تاجدار صرف چار یار ہیں۔

ہم پہلے بھی عرض کر چکے ہیں کہ یہ عقیدہ سلف صالحین سے منقول ہے، جیسا کہ آئندہ اوراق میں قارئین ملاحظہ فرمائیں گے۔ یہ کسی کا بناوٹی اور من گھڑت عقیدہ نہیں بلکہ جمہور علمائے امت کا متفقہ اور اجماعی عقیدہ ہے کہ خلافت راشدہ حضرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ تک ہے جب کہ حضرت حسن کی حکومت پانچ مہینے حضرت سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کی خلافت کا تتمہ ہے۔اس کے بعد اصطلاحی معنی میں خلافتِ راشدہ نہیں، بلکہ خلافتِ عادلہ ہے۔

قاضی صاحب سے پہلے چار یار کا تذکرہ ونعرہ کیوں نہیں؟:

سوال: اگر یہ عقیدہ اتنا ضروری تھا تو مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ سے پہلے کے علماء نے ’’خلافتِ راشدہ:حق چار یار‘‘ کا نعرہ کیوں نہیں لگایا؟

جواب۱: اِس عقیدہ کو نعرہ کی شکل دینا تو اِسے عام کرنے اور اِس کی اہمیت دلوں میں بٹھانے کے لیے ہے۔ کیونکہ اِس عقیدہ کے حوالے سے اِس زمانے میں فتنے بکثرت پیدا ہو چکے ہیں، اور جس زمانہ میں کسی عقیدہ کے حوالے سے فتنے پیدا ہوتے ہیں، اُس زمانہ کے علماء اُس عقیدے پر خصوصی توجہ دیتے اور عوام کے ایمان کی حفاظت کے لیے خاص محنت فرماتے ہیں۔

جواب۲: باقی رہا یہ عقیدہ! تو یہ قاضی صاحب کا بنایا ہوا نہیں، چودہ صدیوں سے چلا آرہا ہے۔ قاضی صاحب نے تو صرف اِسے نقل کیا ہے۔

خلافتِ راشدہ: اکابر امت کی نظر میں:

اَب آیئے اکابر امت کی کتابوں کی طرف! لیکن اِس سے پہلے یہ بات بھی ذہن نشین کر لیں، یہ مسئلہ عقیدہ کا مسئلہ ہے، لہٰذا عقائد کی کتب میں ہی اس کو اکابر نے بیان کیا ہے۔

(۱)- سراج الائمہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اپنی کتاب ’’**الفقہ الاکبر**‘‘ میں ارشاد فرماتے ہیں: **وافضل الناس بعد النبیین علیھم الصلوۃ والسلام، ابوبکر الصدیق، ثم عمر بن الخطاب، ثم عثمان بن عفان ذوالنورین، ثم علی بن ابی طالب.** [ص:۴۱]

(۲)- امام شافعی نے تو مسئلہ ہی حل کر دیا، فرمایا: **اقدام ابابکر ثم عمر ثم عثمان ثم علی، فھم الخلفاء الراشدون. [نقلہ الامام السیوطی فی حقیقۃ السنۃ والبدعۃ:۲۰۹]**

(۳)- امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **خیر الناس بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، ابوبکر، ثم عمر، ثم عثمان، ثم علی. [العقیدہ احمد بن حنبل بروایۃ خلال:۲۳]**

(۴)-فقہ حنفی کے بے تاج بادشاہ، امام ابوجعفر طحاویؒ فرماتے ہیں: **نثبت الخلافه بعد رسول الله ﷺ اولا لابی بکر الصدیق رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه، تفضیلا له وتقدیما علی جمیع الامة، ثم لعمر بن الخطاب، ثم لعثمان بن عفان، ثم لعلی بن ابی طالب رضوان الله علیهم اجمعین، وهم الخلفاء الراشدون والائمة المهدیون.[العقیدة الطحاویة:۸۱]**

(۵)-امام ابن تیمیہ فرماتے ہیں: **انهم یومنون ان الخلیفة بعد رسول الله صلی الله علیه وسلم ابوبکر ثم عمر ثم عثمان ثم علی، ومن طعن فی خلافة احد من هؤلاء فهو اضل من حمار اهله.[العقیدة الواسطیة:۸۱]**

ان کے علاوہ امام ابوالحسن اشعری ،امام غزالی، علامہ تفتازانی کی عبارات بھی موجود ہیں۔

ہمارے اکابرین پاک و ہند میں حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کی کتاب ''**ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء**'' اسی موضوع پر ہے۔ بلکہ حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ تو فرماتے ہیں: ''عقیدہ خلافتِ راشدہ اُصول دین میں سے ایک اصل ہے۔'' امام اہل سنت علامہ عبدالشکور لکھنوی رحمہ اللہ کی تحریرات اُن کے مشہورِ زمانہ رسالہ ''النجم'' میں موجود ہیں جن سے واضح ہے کہ ان کے نزدیک بھی خلافت راشدہ موعودہ فی القرآن کے مصداق صرف اور صرف چار یار ہیں۔ ایک مقام پر محرم الحرام کے رافضیوں کے جلوسوں کے حوالے سے حضرت لکھنوی رحمہ اللہ تحریر کرتے ہیں کہ: ''جب ان کے جلوس لکھنؤ کے بازار سے گزرتے ان کے آنے سے پہلے ان بازاروں کو چار یاری پرچموں سے مزین کر دیا جاتا، جو روافض کے لیے جلتی پر تیل کا کام دیتے۔''

حق چار یار سنی ایٹم بم ہے:

ہمارے مرشد قائد اہل سنت وکیل صحابہ واہل بیت حضرت مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ نے موجودہ زمانے کے فتنوں کی پہچان اور اُن سے حفاظت کے لیے سنی قوم کو ''خلافت راشدہ: حق چار یار'' کی صورت میں ایک ایٹم بم مہیا کر دیا ہے، جس سے روافض بھی ڈرتے ہیں اور خوارج بھی! کیونکہ اِس ایک نعرہ سے دونوں بے اعتدالیوں کا رد ہو جاتا ہے۔ قارئین سے گزارش ہے کہ فتنوں کی بھرمار کے اِس دور میں قدم قدم پر گمراہی کا خطرہ ہے، لہٰذا اکابر اہل سنت کا دامن مضبوطی سے پکڑ لینا ہی سلامتی کا راستہ ہے۔

ملاحظہ: صاحبِ افادات مولانا سید عصمت شاہ کاظمی رحمہ اللہ کی ڈائریوں میں اِس موضوع پر اور بھی مواد موجود ہے، بارہ خلفاء والی روایت کی تشریح و توضیح، سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی خلافت پر ہونے والے اعتراضات کے جوابات وغیرہ! اِن شاء اللہ آہستہ آہستہ وہ بھی منظر عام پر لائی جائیں گی۔ قارئین سے حضرت رحمہ اللہ کی مغفرت اور بلندیٔ درجات کے لیے دعا کی التجا ہے۔

☆......☆......☆......☆

حمزہ احسانی

مسجدِ نبوی

مسجد نبوی شریف کے اَندر ایک قطار میں بنے ستونوں پر **"حد مسجد النبی علیہ السلام"** لکھا ہوا ہے....!!

اِس حد کے اَندر وہ مبارک مسجد اور وہ معزز مقام ہے جس نے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور اُن کے جاں نثار صحابہ رضی اللہ عنہم کے شب و روز، صوم و صلاۃ، دعوت و جہاد، تلاوت و ذکر، اِنفاق فی سبیل اللہ اور تعلیم و تعلم کا مشاہدہ کیا اور اُن کی برکات سمیٹیں....!

اللہ اللہ....! کیا منظر ہوگا....!!

آقا چھڑی پکڑے خطبہ دے رہے ہیں، صدیق و فاروق سن رہے ہیں....!!

آقا دین سکھا رہے ہیں، عثمان و علی سیکھ رہے ہیں....!!

آقا نماز پڑھا رہے ہیں، بلال اِقامت کہہ رہے ہیں....!!

آقا جہاد کے لیے چندے کی اپیل کر رہے ہیں....صحابہ گھر سے لا لا کر جمع کرا رہے ہیں....!!

آقا چکر لگا رہے ہیں، صحابہ علم کی مجلسیں اور ذکر کے مجامع لگا کر بیٹھے ہیں....!!

آقا کی زبان نبوت سے صادر ہونے والے مبارک کلمات، صحابہ کے بابرکت کان سماعت کر رہے ہیں....!!

آقا کے جسم اَطہر سے صادر ہونے والے منور اَفعال، صحابہ کی پُرنور نگاہیں دیکھ رہی ہیں....!!

آقا کے معطر پسینے کی لاجواب خوشبو، صحابہ کے خوش قسمت نتھنے سونگھ رہے ہیں....!!

آقا کی حسین و دلکش مسکراہٹ، صحابہ کے روح و جان کو سرشار کر رہی ہے....!!

آقا کے دندان مبارک سے پھوٹنے والی نور کی شعاعیں، صحابہ کی نگاہوں کو خیرہ کر رہی ہیں....!!

آقا منبر پر ہیں، شہزادے حسن و حسین گرتے پڑتے آ رہے ہیں....!!

شاعر نے کیا خوب کہا ہے ؎

مسجد نبوی! یہ تو بتا کچھ، سماں وہ کیسا پیارا ہوگا؟
صحن میں آقا بیٹھے ہوں گے، گرد اصحاب کا حلقہ ہوگا..!!

اور ایک مصرع یہ ؏

چاروں یار ستارے ہوں گے، بیچ میں چاند چمکتا ہوگا

یہ مصرع بھی ؏

حسن و حسین کا بچپن نانا کی گودی میں کھیلا ہوگا

اللہ اللہ....!

سیرت وحدیث کی کتب میں پڑھے اور اپنے اکابر سے سنے وہ واقعات وحالات ایک ایک کر کے ذہن کی سکرین پر نمودار ہو رہے ہیں....!

ایک یہودی اپنے قرض کی واپسی کا مطالبہ کرنے آیا ہے، آقا کے پاس دینے کو کچھ نہیں....!!

چند ضرورت مند جہاد کے لیے سواری طلب کرنے حاضر ہوئے، آقا کے پاس سواریاں نہیں ہیں جو اُنھیں دی جاسکیں....!!

اہل ثروت مال خرچ کر کے صدقہ کا ثواب سمیٹ رہے ہیں، غرباء اپنی محرومی بیان کرنے آقا کے پاس حاضر ہیں....!!

مسجد نبوی کے صحن میں مال و دولت، سونا چاندی کے ڈھیر لگے ہوئے ہیں، آقا سب کچھ تقسیم کر کے گھر پہنچتے ہیں تو کھانے کو بھی کچھ نہیں ہوتا....!!

یہی مسجد ہے، سیدنا علی لیٹے ہوئے ہیں، آقا اُن کے بدن سے مٹی جھاڑ کر ''ابوتراب'' فرماتے ہوئے اُنھیں اُٹھا رہے ہیں....!!

یہی جگہ ہے، چوری کا ایک مقدمہ پیش خدمت ہے، آقا فرما رہے ہیں: میری بیٹی فاطمہ بھی چوری کرتی تو اُس کا بھی ہاتھ کاٹ دیتا....!!

یہی مقام ہے، ستر (۷۰) صحابہ کو دھوکے سے کسی مقام پر شہید کر دیا گیا ہے، آقا قنوت نازلہ پڑھ پڑھ کر بدبختوں کے لیے بددعائیں کر رہے ہیں....!!

یہی قطعۂ اَرض ہے، تبوک سے پیچھے رہ جانے والے تین اَفراد کی توبہ قبول ہونے کا اعلان ہوا ہے، آقا کی موجودگی میں صحابہ اُٹھ کر اُن تینوں کو مبارک باد دے رہے ہیں....!!

کچھ بدبختوں نے شان رسالت میں گستاخی کی ہے، یہی مقدس سرزمین ہے، آقا اُن کا سر قلم کرنے کے لیے مجاہدین کی تشکیل فرما رہے ہیں....!!

صحابہ گستاخ رسول کو جہنم واصل کر کے کامیاب واپس آئے ہیں، یہی جنتِ اَرضی ہے، آقا

اَفْلَحَتِ الْوُجُوہ فرما کر خوشی کا اِظہار کر رہے ہیں....!!

پھر ایک وقت آیا....!!

یہی مصلیٰ ہے، آقا مرض الوفات میں صحابہ کے کندھوں پر ہاتھ رکھے تشریف لا رہے ہیں....!!

یہی محراب ہے، سیدنا صدیق اکبر نماز پڑھا رہے ہیں، آقا دیکھ کر اطمینانِ قلب محسوس کر رہے ہیں کہ جانشین اور خلیفہ بلافصل نے مصلیٰ سنبھال لیا ہے....!!

پھر....!!!

یہی صحن ہے، آقا کی وفات کی خبر پھیل چکی ہے، صحابہ مغموم ہیں، منافقین پروپیگنڈا کر رہے ہیں، سیدنا عمر تلوار لے کر کھڑے ہیں: خبردار! کوئی نہ کہے کہ حضور وفات پا چکے ہیں....!!!

یہی احاطہ ہے، سیدنا صدیق اکبر (اللہ اللہ! یار غار و مزار کا حوصلہ) تشریف لا کر منبر پر کہتے ہیں: جو محمد کی عبادت کرتا تھا، وہ سن لے! محمد وفات پا چکے ہیں، جو اللہ کی عبادت کرتا تھا، اللہ زندہ ہے، اُسے کبھی موت نہیں آئے گی....!!

یہی حجرہ ہے، آقا کا جسدِ اَطہر موجود ہے، صحابہ درود پاک پڑھ پڑھ کر تدفین کر دیتے ہیں....!!!

یہی قبر ہے، آقا فرما چکے ہیں: جو میری قبر کے پاس درود پاک پڑھے گا، میں خود سن لوں گا، جو دُور سے پڑھے گا، فرشتوں کے ذریعہ پہنچایا جائے گا....!!!

یہی روضہ ہے، عشاق حاضر ہوتے ہیں اور درود و سلام کا نذرانہ پیش کرتے ہیں: الصلاۃ والسلام علیک یارسول اللہ..! کیونکہ یہاں آقا خود سماعت کرتے ہیں اور جواب اِرشاد فرماتے ہیں....!!!

صلی اللہ علیہ وسلم.... صلی اللہ علیہ وسلم.... صلی اللہ علیہ وسلم

شعر پھر پڑھنے کو جی چاہتا ہے ؎

مسجد نبوی! یہ تو بتا کچھ، سماں وہ کیسا پیارا ہوگا؟
صحن میں آقا بیٹھے ہوں گے، گرد اصحاب کا حلقہ ہوگا

حمزہ احسانی

۶ رمحرم الحرام ۱۴۴۴ھ.... 4 / اگست 2022ء.... جمعرات

حال وارد: مسجد نبوی شریف، مدینۃ المنورۃ (زادھا اللہ شرفا)

☆......☆......☆......☆

مولانا مفتی عبید الرحمٰن، مردان

امام صاحب کی مجلس فقہی پر ہونیوالے اشکالات کا جائزہ

حضرت امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت رحمہ اللہ تعالیٰ ان چند عظیم شخصیات میں سے ایک ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے بڑی توفیق اور عظیم تر صلاحیت واستعداد سے نوازا تھا اور جن کی ذات سے امت کو مجموعی طور پر بہت بڑا فائدہ پہنچا اور مسلسل پہنچ رہا ہے۔ مسلمان اور غیر مسلم کے امتیاز کے بغیر تاریخ شاہد ہے کہ اجتماعی سطح پر کام کرنیوالے حضرات کے متعلق ہمیشہ یہی دستور رہا ہے کہ ایک طرف اگر ان کے مادحین وقدرداں زیادہ ہوتے ہیں تو دوسری طرف ان کے ناقدین وحاسدین کی بھی کوئی کمی نہیں ہوتی جن کی روزمرّہ زندگی کا بڑا حصہ یہی ہوتا ہے کہ کسی طرح ان حضرات پر طعن وتشنیع کرنے کا موقع ملے۔ کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے ہاں کتنا ہی مقبول، معصوم، محفوظ اور مقرب کیوں نہ ہو لیکن حسد ونقد کی فتنہ خیز نگاہیں ہمیشہ اسی پہلو کے ٹٹولنے میں مشغول رہتی ہیں کہ جہاں ان مقبولانِ خدا کے بارے میں لب کشائی کرنے اور بدنام کرنے کا موقع ملے، ہاتھ سے جانے نہ دیا جائے۔ یہ ایک طویل موضوع ہے جس میں انسانی زندگی کے تاریخی ونفسیاتی پہلوں نمایاں ہوجاتے ہیں۔ امام ابن حجر ہیتمی رحمہ اللہ، جو فقہی مسلک کے لحاظ سے پختہ شافعی ہیں، وہ امام صاحب کے متعلق فرماتے ہیں:

”ثمّ لم یزل أمرہ یزداد علوّا ویکثُر أصحابہ حتّی صارت حلقتُہ أعظم حلقۃ فی المسجد وانصرفت وجوہ النّاس الیہ وأکرمہ الأمراء وذکرہ الخلفاء وحمدہ الکلّ وعمل أشیاء أعجزت غیرہ ومع ذلک کثُرت حسّادہ ومعادوہ لأنّ ذلک سنّۃ اللہ فی خلقہ ولن تجد لسنّۃ اللہ تبدیلا۔“ [الخیرات الحسان،الفصل العاشر:۲۹]

ترجمہ: مسلسل ان کی شان بلند ہوتی گئی، شاگرد بڑھتے گئے یہاں تک کہ مسجد میں حضرت امام صاحبؒ کا حلقہ سب سے بڑا ہوگیا، لوگ ان کی طرف متوجہ ہوئے، امراء وشرفاء تعظیم کرنے لگے، شاہانِ عصر تذکرے کرنے لگے، ہر ایک نے ان کی تعریف وتوصیف کی۔ ایسے کارنامے انجام دیئے کہ دوسروں کو عاجز کردیا، ان سب کے باوجود ان کے حاسدین ومعاندین بھی زیادہ ہونے لگے، کیوں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی اپنی مخلوق میں سنت ہے اور اللہ تعالیٰ کی سنت کو کوئی تبدیل نہیں کرسکتا۔

یہاں ہمارا مقصود ایک خاص واقعے کا جائزہ لینا ہے جو حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کی سوانح میں عام طور پر ملتا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ جن لوگوں نے امام صاحب رحمہ اللہ کی حیات وخدمات پر تفصیلی کام کیا ہے ان میں سے بیشتر حضرات نے لکھا ہے کہ آپ کی فقہ شورائی ہے شخصی نہیں ہے، آپ استنباط احکام کا کام تن تنہا نہ کرتے تھے بلکہ ساتھ اپنے تلامذہ، متعلقین وغیرہ اہل علم کی ایک خاطر خواہ جماعت بھی آپ کے ساتھ اس میں شریک رہی ہے۔ اس بات پر جہاں تحسین وآفرین کے پھول نچھاور کئے گئے یوں ہی نقد ومخالفت کے تیر بھی خوب برسائے گئے۔ چنانچہ اس ناکارہ کے محدود وناقص علم ومطالعہ میں متعدد ایسے مقالات ورسائل سامنے آئے جن کا موضوع ہی یہ تھا کہ: ''امام صاحب کے ہاں ایسی کوئی مجلس تھی اور نہ آپ کی فقہ کو شورائی قرار دینا درست ہے بلکہ دیگر ائمہ کی بنسبت آپ کے ہاں بے جا قیاس آرائی کا دخل وکردار زیادہ تھا۔''

یہ بات گو ائمہ سلف کی شان میں گستاخی اور بے ادبی پر مبنی ہے جو بہر حال مذموم ہے لیکن اگر اسی پر بس کیا جاتا تو بھی کچھ گزارہ ہوسکتا تھا لیکن ان دوستوں نے اس سے بھی بڑھ کر بڑے طنزیہ اور گستاخ آمیز انداز میں اس مجلس اور اس کے اراکین کا تذکرہ کیا اور ان حضرات کے فقہی وعلمی کارناموں کو ایسی بے رحم توجیہات پر حمل کیا جن کی توقع اس آدمی سے نہیں کی جاسکتی تھی جن کو اللہ تعالیٰ نے سلامتِ قلب اور احترام سلف کی نعمت سے نوازا ہو۔ اس حد تک تجاوز کرنا قابلِ افسوس اقدام اور ناکردنی جرم ہے۔

اشکالات کی مختصر فہرست:

بہر حال ان جیسی ناقدانہ تحریرات کو پڑھنے کے بعد واضح ہوتا ہے کہ اس مجلس پر عمومی طور پر درجِ ذیل اشکالات عائد کیے جاتے ہیں:

۱- تاریخی طور پر اس کا ثبوت نہیں ہے۔

۲- اراکین مجلس کون تھے؟ ان کے نام محفوظ نہیں ہیں۔

۳- جن اراکین کے نام محفوظ ہیں ان کا اس مجلس میں شریک رہنا ممکن نہیں ہے۔ مثال کے طور پر امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ ہیں کہ مجلس کی جو ابتداء بتائی جاتی ہے اس وقت امام محمد رحمہ اللہ کی ولادت ہی نہیں ہوئی تھی اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ گو پیدا ہوچکے تھے لیکن عمر آٹھ سال تھی جو لڑکپن کا زمانہ ہوتا ہے اور اس عمر میں کوئی شخص کسی اہم مجلس کا رکن رکین نہیں بن سکتا۔

۴- اگر مجلس کی یہ کہانی افسانہ نہیں ہے حقیقت ہے تو اس کا مرتب شدہ مجموعہ امت کے سامنے کیوں نہیں ہے جبکہ دیگر ائمہ مجتہدین کا علمی ذخیرہ، باوجودیکہ ان کے ہاں ایسی کوئی مجلس نہیں تھی، امت کے سامنے موجود ہے۔ چنانچہ امام مالک رحمہ اللہ کی ''**المدوّنة**'' امام شافعی رحمہ اللہ کی ''**کتاب الأم**'' امام احمد

رحمہ اللہ کی ’’مسند‘‘ ہمارے سامنے موجود ہیں۔

اشکالات کا جائزہ

(۱)-پہلے اشکال کا جواب:

جہاں تک تاریخی لحاظ سے اشکال کا تعلق ہے تو بظاہر قلتِ تتبّع یا عدمِ تعمق کی وجہ سے یہ اشکال پیدا ہوا۔ورنہ تو امام صاحب رحمہ اللہ کے متعلق مختلف تاریخی روایات میں یہ بات ذکر کی گئی ہے کہ آپ کے ہاں فقہی مسائل میں خوب بحث ومناقشے کا معمول تھا اور کوئی مسئلہ پیش آتا تو حاضرینِ مجلس اہلِ علم سے ان کی رائے دریافت کرتے تھے،دلیل کا مطالبہ کرتے اور پھر خوب مناقشہ بھی کرتے تھے۔یہ بات متعدد اور مستند مؤرخین نے ذکر فرمائی ہیں۔یہاں مثال کے طور پر چند تاریخی شہادتیں پیش کی جاتی ہیں۔

امام ذہبی رحمہ اللہ نے حضرت الامام اور ان کے صاحبین کے مناقب وفضائل کے متعلق ایک رسالہ تالیف فرمایا ہے،اس میں اپنی سند کے ساتھ تحریر فرماتے ہیں:

أَحْـمَـدُ بْـنُ أَبِـي خَيْـثَـمَةَ: نَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ بَشَّارٍ، عَنْ سُفْيَانَ بْنِ عُيَيْنَةَ، قَالَ: كَرَرْتُ بِـأَبِـي حَنِيفَةَ فِي الْمَسْجِدِ، وَإِذَا أَصْحَابُهُ حَوْلَهُ قَدِ ارْتَفَعَتْ أَصْوَاتُهُمْ، فَقُلْتُ: أَلا تَنْهَاهُمْ عَنْ رَفْعِ الصَّوْتِ فِي الْمَسْجِدِ؟ قَالَ: ”دَعْهُمْ فَإِنَّهُمْ لا يَتَفَقَّهُونَ إِلا بِهَذَا.“

[مناقب الإمام أبي حنيفة وصاحبيه:۳۵]

ترجمہ:سفیان بن عیینہؒ سے روایت ہے کہ میں کئی بار امام ابوحنیفہؒ کے پاس مسجد میں گیا،شاگردان کے اردگرد ہوتے تھے اور زور زور سے بولتے تھے،میں نے عرض کیا کہ مسجد میں آواز اونچا کرنے سے ان کو روکتے نہیں؟ فرمایا: چھوڑ دو انہیں،اس کے بغیر یہ فقیہ نہیں بنیں گے۔

اس میں صراحت ہے کہ امام صاحب کے اردگرد اہلِ علم کا حلقہ سجتا تھا اور فقہی مسائل میں اچھی طرح بحث ومناقشہ ہوتا رہتا تھا اور سب سے بڑھ کر بات یہ ہے کہ خود امام صاحب کی تحریک وتجویز پر باضابطہ انداز میں یہ سب کچھ ہوا کرتا تھا۔نیز سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ کی بات کے جواب میں امام صاحب نے جو جملہ ارشاد فرمایا،وہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ امام صاحب کے ہاں تفقہ حاصل کرنے کا بہترین طریقہ یہی تھا۔

یہی امام ذہبی رحمہ اللہ ایک جگہ لکھتے ہیں:

مُـحَـمَّـدُ بْـنُ عَلِيِّ بْنِ عَفَّانَ الْعَامِرِيُّ، ثَنَا الْوَلِيدُ بْنُ حَمَّادٍ اللُّؤْلُئِيُّ، ثَنَا الْحَسَنُ بْنُ زِيَـادٍ الـلُّؤْلُئِيُّ، سَمِعْتُ أَبَا يُوسُفَ، يَقُولُ: اجْتَمَعْنَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ فِي يَوْمٍ مَطِيرٍ فِي نَفَرٍ مِنْ

أَصْحَابِهِ مِنْهُمْ: دَاوُدُ الطَّائِيُّ، وَالْقَاسِمُ بْنُ مَعْنٍ، وَعَافِيَةُ بْنُ يَزِيدَ، وَحَفْصُ بْنُ غِيَاثٍ، وَوَكِيعُ بْنُ الْجَرَّاحِ، وَمَالِكُ بْنُ مِغْوَلٍ، وَزُفَرُ، فَأَقْبَلَ عَلَيْنَا بِوَجْهِهِ، وَقَالَ: " أَنْتُمْ مَسَارُّ قَلْبِي، وَجِلاءُ حُزْنِي، وَأَسْرَجْتُ لَكُمُ الْفِقْهَ وَأَلْجَمْتُهُ، وَقَدْ تَرَكْتُ النَّاسَ يَطَئُونَ أَعْقَابَكُمْ، وَيَلْتَمِسُونَ أَلْفَاظَكُمْ مَا مِنْكُمْ وَاحِدٌ إِلا وَهُوَ يَصْلُحُ لِلْقَضَاءِ، فَسَأَلْتُكُمْ بِاللَّهِ وَبِقَدْرِ مَا وَهَبَ اللَّهُ لَكُمْ مِنْ جَلالَةِ الْعِلْمِ مَا صُنْتُمُوهُ عَنْ ذَلِكَ الاسْتِئْجَار.

[مناقب الإمام أبی حنيفة و صاحبيه:۳۸]

ترجمہ: حسن بن زیاد لؤلؤی فرماتے ہیں کہ میں نے امام ابو یوسف کو فرماتے ہوئے سنا کہ ہم (شاگردوں کی ایک) جماعت بارش کے دن امام ابو حنیفہؒ کے پاس جا کر جمع ہو گئے، شاگردوں میں داؤد طائی، قاسم بن معن، عافیہ بن یزید، حفص بن غیاث، وکیع بن جراح، مالک بن مغول اور زفر رحمہم اللہ تھے، حضرۃ الامام ہماری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ: تم لوگ میرے دل کا سرور ہو، میرے غم کو دور کرنے والے ہو، میں نے تمہارے لیے فقہ کے اوپر زین رکھ کر اسے لگام دے دی ہے اور لوگوں کو ایسا چھوڑا کہ وہ تمہارے نقش قدم پر چلیں گے اور تمہارے الفاظ تلاش کریں گے، تم میں سے ہر ایک قاضی بننے کی صلاحیت رکھتا ہے میں تمہیں اللہ اور اس علم کی شان کا واسطہ دیتا ہوں جو اللہ نے تمہیں عطا کیا ہے کہ اس کو اجرت حاصل کرنے سے بچاؤ۔

اس سے معلوم ہوا کہ درج بالا حضرات فقہ میں امام صاحب کے خصوصی فیض یافتہ تھے جن کو امام صاحب دل کی ٹھنڈک اور غم وحزن کا مداوا سمجھتے تھے اور ان کے سامنے امام صاحب نے فقہ کی تدوین وترتیب کا کام انجام دیا تھا۔

سوال ہوتا ہے کہ امام صاحب کی وہ کونسی پریشانی تھی جو ان حضرات نے دور فرمائی تھی جس کی وجہ امام صاحب ان کی اس قدر اعزاز واکرام فرماتے ہیں؟ معاش واقتصاد کے میدان میں تو امام صاحب ان حضرات کی اور ان جیسے دیگر بہت سے تلامذہ ومتوسلین کی پریشانیاں دور کرنے کی کوشش فرماتے تھے۔ علم ودین اور اخلاق وادب بھی ان حضرات نے امام صاحب سے سیکھا تھا اور اس میں بھی یہ تمام حضرات امام صاحب کے زیر احسان تھے۔ غرض آخر وہ کیا وجہ تھی جس کی بنیاد پر امام صاحب اپنے ان تلامذہ کا اتنا اعزاز کر رہے ہیں اور ساتھ ان کو وعظ ونصیحت بھی فرما رہے ہیں؟

متعدد تاریخی ونفسیاتی شواہد اس بات کی کھلی گواہی دیتے ہیں کہ یہ حضرات فقہ کی تدوین وحل میں اپنے عظیم استاد کے ساتھ شریک کار رہے تھے اور امام ذہبی ہی کے حوالہ سے ہم پہلے نقل کر چکے ہیں کہ امام

صاحب کے ہاں تفقہ حاصل کرنے کا طریقہ ہی بحث ومناقشہ کرنا تھا۔

امام صاحب رحمہ اللہ کی زندگی کے قدیم مؤرخ علامہ حسین صیمری رحمہ اللہ ہیں جن کی تاریخ وفات ۴۳۶ھ ہے، وہ اپنی سند کے ساتھ ذکر کرتے ہیں:

حَدثنَا الْعَبَّاس بن أَحْمد الْهَاشِمِي قَالَ ثَنَا أَحْمد بن مَنْصُور المنصوري قَالَ ثَنَا عَلِيّ ابْن مُحَمَّد النَّخعِيّ قَالَ ثَنَا عبد الله بن أَحْمد بن البهلول قَالَ ثَنَا الْقَاسِم بن مُحَمَّد البَجلِيّ قَالَ سَمِعت إِسْمَاعِيل بن حَمَّاد بن أبي حنيفَة قَالَ قَالَ أَبُو حنيفة يَوْمًا أَصْحَابنَا هَؤُلَاءِ سِتَّة وَثَلَاثُونَ مِنْهُم ثَمَانِيَة وَعِشْرُونَ يصلحون للْقَضَاء وَمِنْهُم سِتَّة يصلحون للفتيا وَمِنْهُم اثْنَان يؤدبان الْقُضَاة وَأَصْحَاب الْفَتْوَى وَأَشَارَ إِلَى أبي يُوسُف وَزفر.

[**أخبار أبي حنيفة وأصحابه:۱۵۸**]

ترجمہ: قاسم بن محمد **البجلی** فرماتے ہیں کہ میں نے اسمٰعیل بن حماد بن ابی حنیفہ کو سنا کہ ایک دن امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا کہ یہ ہمارے چھتیس (36) ساتھی ہیں، ان میں سے اٹھائیس قضاء کی صلاحیت رکھتے ہیں اور چھ فتویٰ دینے کے اہل ہیں اور دو ساتھی ایسے ہیں کہ قاضیوں اور مفتیوں کی تربیت کر سکتے ہیں اور امام ابو یوسف اور امام زفر رحمہم اللہ کی طرف اشارہ فرمایا۔

یہاں چھتیس (۳۶) حضرات کا ذکر ہے، اس کے علاوہ ایک تو خود امام صاحب تھے اور شاید امام محمد بن حسن رحمہ اللہ جیسے حضرات کا کم سنی وغیرہ عوارض کی وجہ سے نام نہ لیا ہو کہ اس خطاب کے وقت ان کی عمر خاصی کم تھی اور وہ ان ذمہ داریوں کے متحمل نہیں ہو سکتے تھے جن کا ذکر اسی خطاب میں امام صاحب فرما رہے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ متاخر سوانح نگاروں نے اراکین مجلس کی جو چالیس تعداد لکھی ہے وہ بالکل بے بنیاد بھی نہیں ہے۔ نیز یہاں ''**اصحابنا**'' سے تلامذہ ومستفیدین مراد ہیں جنہوں نے امام صاحب سے علم فقہ حاصل کیا تھا اور امام صاحب کا طریقہ تعلیم پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ وہ صرف لیکچر نہیں دیتے تھے بلکہ طلبہ سے خوب کام لیتے تھے جس سے لامحالہ فقہی مجلس کی فضاء پیدا ہو جاتی ہے۔

یہی مؤرخ صیمری صاحب رحمہ اللہ اس کے بعد تحریر فرماتے ہیں:

أخبرنَا عَبَّاس بن الْفضل الْهَاشِمِي قَالَ ثَنَا أَحْمد بن مُحَمَّد قَالَ ثَنَا عَليّ بن مُحَمَّد النَّخعِيّ قَالَ ثَنَا نجيح قَالَ ثَنَا ابْن كَرَامَة قَالَ كُنَّا عِنْد وَكِيع يَوْمًا فَقَالَ رجل أَخطَأ أَبُو حنيفَة فَقَالَ وَكِيع يقدر أَبُوحنيفَة يخطىء وَمَعَهُ مثل أبي يُوسُف وَزفر فِي قياسهما وَمثل يحيى بن أبي زَائِدَة وَحَفْص بن غياث وحبان ومندل فِي حفظهم للْحَدِيث وَالْقَاسِم

بن معن فِي مَعْرِفَته باللغة والعربية وفضيل بن عِيَاض وَدَاوُد الطَّائِي فِي زهدهما وورعهما من كَانَ هَؤُلَاءِ جلسائه لم يكن يخطىء لِأَنَّهُ إِن أَخطَأ ردُّوهُ.[أخبار أبي حنيفة وأصحابه :١٥٨] ترجمہ: ابن کرامہؒ فرماتے ہیں کہ ہم ایک دن حضرت وکیعؒ کے پاس تھے کہ ایک شخص نے کہا کہ ابوحنیفہ سے غلطی ہوئی، اس پر حضرت وکیعؒ نے فرمایا کہ اس کا خیال ہے کہ امام ابوحنیفہؒ سے غلطی ہوتی ہے، حالانکہ اس کے پاس قیاس میں ابو یوسف اور زفر جیسے اور حفظِ حدیث میں یحییٰ بن ابی زائد، حفص بن غیاث، حبان اور مندل جیسے، اور لغت اور عربیت میں قاسم بن معن اور زہد وتقویٰ میں فضیل بن عیاض اور داؤد طائی جیسے حضرات موجود ہیں، جس کے ایسے ہم نشین ہوں اس سے غلطی نہیں ہوسکتی، اس لئے کہ اگر اس سے غلطی ہوئی، تو یہ لوگ اسے رد کریں گے۔

امام وکیع بن جراح کوئی معمولی آدمی نہ تھے۔ان کی اس بات کا مطلب سوا اس کے اور کیا ہوسکتا ہے کہ درج بالا حضرات، امام صاحب کے ساتھ تدوین فقہ میں شریک کار رہتے تھے اور پوری حریت وآزادی کے ساتھ فقہی مسائل پر بحث ومباحثہ میں حصہ لیتے تھے، جہاں امام صاحب کے استدلال واستنباط میں کوئی سقم محسوس کرتے وہاں بلا جھجک کھل کر مدلل طریقے پر اپنا اظہار خیال فرماتے تھے! اس کو امام صاحب کی خوش نصیبی کہیے یا ان کا کمال، کہ ہر فن کے شناور وماہرین ان کے گرد رہتے تھے اس لئے کسی بھی پہلو سے کوئی کمزوری رہتی تو بروقت اس پر سیر حاصل گفتگو ہو جاتی تھی۔

حضرت امام ابن جوزی، جو مسلک کے لحاظ سے پختہ شافعی ہیں، وہ حضرت الامام کے ایک شاگرد ''قاضی عافیہ بن یزید'' کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:

وكان من أصحاب أبي حنيفة الذين يجالسونه، فكان أصحابه يخوضون في مسألة فإن لم يحضر عافية قال أبو حنيفة: لا ترفعوا المسألة حتى يحضر عافية، فإذا حضر، فإن وافقهم قال أبو حنيفة: أثبتوها، وإن لم يوافقهم قال أبو حنيفة: لا تثبتوها.

[المنتظم فی تاريخ الملوک والأمم،عافية بن يزيد بن قيس القاضي:٩/٥١]

ترجمہ: عافیہ بن یزید امام ابوحنیفہؒ کے ان شاگردوں میں سے تھے جو ان کے ساتھ بیٹھتے تھے، جب شاگرد کسی مسئلہ کو اٹھاتے، تو حضرۃ الامام فرماتے کہ کوئی مسئلہ اس وقت تک پیش نہ کرو، جب تک کہ عافیہ نہ پہنچے، پھر جب وہ ان کی موافقت کرتے تو امام صاحب فرماتے کہ لکھ لو اسے اور اگر وہ موافقت نہ کرتے تو فرماتے اس کو نہ لکھو۔

علامہ خطیب بغدادی رحمہ اللہ، باوجودیکہ انہوں نے تاریخ بغداد میں حضرت امام ابوحنیفہ اور ان

کے گراں قدر اصحاب وتلامذہ کے متعلق بہت کچھ رطب ویابس جمع کیا ہے اوران کی تنقیح وتہذیب کی طرف بھی دھیان نہیں فرمایا، وہ بھی ''قاضی عافیہ بن یزید'' کے حالات میں اپنی سند کے ساتھ حضرت ''اسحاق بن ابراہیم'' سے نقل کرتے ہیں:

كان أصحاب أبی حنيفة الذين يذاكرونه: أَبُو يوسف، وزفر، وداود الطائی، وأسد بُن عمرو، وعافية الأودی، والقاسم بُن معن، وعلی بُن مسهر، ومندل وحبان ابنا علی، وكانوا يخوضون فی المسألة، فإن لم يحضر عافية، قَالَ أَبُو حنيفة: لا ترفعوا المسألة حتی يحضر عافية، فإذا حضر عافية، فإن وافقهم، قَالَ أَبُو حنيفة: أثبتوها، وإن لم يوافقهم، قَالَ أَبُو حنيفة: لا تثبتوها. [تاریخ بغدادت بشار، عافیہ بن یزید بن قیس:۲۵۴/۱۴]

ترجمہ: امام ابوحنیفہؒ کے وہ شاگرد جو ان کے ساتھ مذاکرہ کرتے تھے، ابو یوسف، زفر، داؤد طائی، اسد بن عمرو، عافیہ اودی، قاسم بن معن، علی بن مسہر، اور علی کے بیٹے مندل اور حبان تھے اور جب شاگرد کسی مسئلہ کو اٹھاتے اور عافیہ موجود نہ ہوتے تو حضرۃ الامام فرماتے کہ کوئی مسئلہ اس وقت تک پیش نہ کرو، جب تک کہ عافیہ نہ پہنچے، جب عافیہ پہنچتے اور وہ ان کی موافقت کرتے تو امام صاحب فرماتے کہ لکھ لو اسے، اور اگر وہ موافقت نہ کرتے تو فرماتے اس کو نہ لکھو۔

موفّق مکی ''مناقب ابی حنیفہ'' میں تحریر فرماتے ہیں:

"فوضع أبوحنيفة رحمه الله مذهبه شوری بينهم لم يستبدّ فيه بنفسه دونهم اجتهادا منه فی الدّين ومبالغة فی النّصيحة لله ورسوله وللمؤمنين فكان يلقی مسئلة مسئلة يقلبّهم ويسمع ما عندهم ويقول ما عنده. [مناقب أبی حنيفة:۱۳۴/۲]

ترجمہ: امام ابوحنیفہؒ نے ذاتیت کو مسلّط کئے بغیر شوریٰ کے تعاون سے بڑی جانفشانی اور اللہ، رسول ﷺ اور مسلمانوں کے ساتھ بھرپور خلوص اور خیر خواہی کی بنیاد پر اپنا مذہب مدون کیا، ایک ایک مسئلہ پیش کرتے تھے، اس کو الٹے پلٹتے تھے شوریٰ کے اراکین کی بات بھی سنتے تھے اور اپنی رائے کا اظہار بھی فرماتے تھے۔

ماضی قریب میں مصر کی ایک اہم علمی شخصیت حضرت شیخ ابوزہرۃ رحمہ اللہ کی ہے، انہوں نے حضرات ائمہ اربعہ اور دیگر کئی اہل علم کے تاریخ وسوانح پر متعدد کتابیں تالیف فرمائی ہے اور حقیقت یہ ہے کہ سیرت وسوانح کے اس سلسلہ میں آپ نے بڑی دقت، محنت، انصاف اور اعتدال سے کام لیا ہے حالانکہ ایسی اہم شخصیات کے سوانح میں نقطہ اعتدال پر رہنا بڑا مشکل اور کٹھن مرحلہ ہوتا ہے اور بہت کم ایسے افراد ہوتے

ہیں جن کو اس باب میں بھی استقامت واعتدال کی شاہراہ پر جمے رہنے کی توفیق وسعادت نصیب ہوتی ہے، اس لئے تاریخ وسیرت کے باب میں آپ کی یہ خدمات قابلِ تحسین ہیں۔ امام اعظم صاحب رحمہ اللہ کی سیرت سے متعلق آپ اپنی کتاب ''ابوحنیفہ: حیاتہ وعصرہ'' میں تحریر فرماتے ہیں:

وطريقة أبي حنيفة في درسه تشبه أن يكون دراسة له لا إلقاء الدّروس على تلاميذ، فالمسألة مِن المسائل تعرض له فيُلقيها على تلاميذ ويتجادل معهم في حكمها وكلّ يدلي برأيه، وقدُ يلتصفون منه في المقاييس، كما رُوى عنِ الإمام محمّد، ويُعارضونه في اجتهاده وقد يتصايحون حتى يعلو ضجيجُهم كما نقلنا فيما مضى عن مسعر بن كدام ۔وبعدَ أن يُقلبّوا النّظر مِن كلّ نواحيه يُدلي هو بالرّأى الّذى تنتجه هذه الدّراسة ويكون صفوَها فيقرّ الجميعُ به ويرضونه.[أبو حنيفة: حياته وعصره وأرائه وفقهه :٨٧] ترجمہ: امام ابوحنیفہؒ کا اندازِ درس شاگردوں کے سامنے تقریر کا نہیں تھا بلکہ ایک قسم کا مباحثہ ہوتا تھا، جب کوئی مسئلہ پیش کیا جاتا، تو اس کو شاگردوں کے سامنے رکھتے اور اس کے حکم کے بارے میں ان کے ساتھ بحث فرماتے، ہر ایک اپنی رائے ظاہر کرتا، کبھی قیاسات میں اختلاف بھی ہوتا تھا جس طرح کہ امام محمدؒ سے منقول ہے، شاگرد آپ کے ساتھ ان کے اجتہاد میں بھی معارضہ کرتے، کبھی آواز بہت بلند ہوتی اور ایک شور مچ جاتا تھا، جس طرح کہ پہلے مسعر بن کدام کے حوالہ سے نقل کیا گیا ہے۔ مسئلہ کے مختلف پہلوں پر نقد ونظر کے بعد مباحثے کا حاصل اور نتیجہ آپ بیان فرماتے، جس کا سب اقرار کر کے پسند فرماتے تھے۔

(۲)- دوسرے اشکال کا جائزہ:

یہ اشکال ہی سرے سے درست نہیں ہے۔ تاریخی طور پر ثبوت کے بعد اس اشکال کی کوئی وقعت باقی نہیں رہتی۔ تاریخ میں ہر بات کی تفصیل کا درج ہونا کوئی ضروری نہیں ہے، سینکڑوں واقعات ایسے ہیں جہاں اجمالی طور پر تو کوئی بات معلوم ہوتی ہے لیکن اس کی تفصیل تاریخی ذخیرے کی زینت نہیں بن سکی۔ خود قرآن کریم اور احادیث مبارکہ کے پاک ذخیرے میں کتنے ہی ایسے نصوص ہیں جہاں اجمال وابہام کے انداز میں کوئی واقعہ ذکر کیا گیا ہے لیکن صاحب واقعہ کون تھا؟ اگر متعدد تھے تو کتنے اور کون کون تھے؟ کن علاقوں اور کس زمانے میں گزرے ہیں؟ ان کا نام ونسب کیا تھا؟ ان باتوں کی کوئی تفصیل نصوص میں ذکر ہوتی ہے اور نہ ہی تاریخ اس کی طرف پوری طرح رہنمائی کر سکتی ہے۔ تو کیا اس اجمال وابہام کو سوالیہ نشان بنا کر اصل واقعے کا انکار کرنا یا اس میں تردد کی فضاء پیدا کرنا درست ہے!

ظاہر ہے کہ جو چیز جس حد تک ثابت ہو اسی حد تک اس کو تسلیم کر لینا چاہئے، مزید تفصیل وتشریح نہ

ہونے کو مؤرخین کی کمزوری یا تاریخ کا سقم تو تعبیر کیا جا سکتا ہے لیکن اصل ثابت شدہ حد تک واقعے کے انکار کا سبب بنانا خلافِ صدق و دیانت ہے۔

اگر بالفرض اس غیر معقول اشکال کو کچھ وقت کے لیے تسلیم بھی کر لیا جائے تو بھی اصل مدّعیٰ ثابت نہیں ہوتا بلکہ پہلے اشکال کی طرح یہاں بھی واضح ہوتا ہے کہ تلاش وجستجو کی کمی کی وجہ سے تاریخ کے وسیع ذخیرے میں ان اراکین مجلس کے نام دریافت نہیں ہوئے، ورنہ متعدد مؤرخین نے ان کے اسماء گرامی لکھے ہیں۔اراکین میں سے اہم اور نمایاں حضرات کے نام تو اکثر مفصل تاریخوں میں مذکور ہے، چنانچہ پہلے علامہ صیمری رحمہ اللہ کے حوالے سے حضرت امام وکیع بن جراح رحمہ اللہ کا جو قول ہم نے نقل کیا، اس میں بھی ان اراکین کے اہم حضرات کے اسماء گرامی کا ذکر ہے۔استیعاب کے ساتھ ان تمام حضرات کے نام ذکر کرنا گو مؤرخ کی ذمہ داری نہیں ہے بلکہ ہمارا خیال تو یہ ہے کہ ایسا کرنا ایک مؤرخ کے لیے نہایت مشکل اور صبر آزما کام ہے کیونکہ:

الف: یہ بات تواتر کیساتھ ثابت ہے کہ حضرت حماد بن سلیمان رحمہ اللہ کے انتقال کے بعد حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ ان کے جانشین مدرس مقرر ہوئے جس کی وجہ بہت سے وہ لوگ جو پہلے امام صاحب کے ہم درس ساتھی تھے، وہ بھی باقاعدہ آپ کے حلقہ تلمذ میں داخل ہو گئے اور اس وقت سے لے کر آخر تک آپ کسی نہ کسی درجے میں درس وتدریس کا فریضہ انجام دیتے رہے۔

ب: اس کے ساتھ ساتھ اس بات سے بھی کسی کو انکار نہیں ہے کہ امام صاحب کا درسی وفقہی مزاج کیا تھا؟ اور وہ کس طرح طلبہ کو فقہ وفتویٰ کی تربیت دیتے تھے؟ امام ذہبی رحمہ اللہ کے حوالے سے ہم پہلے نقل کر چکے ہیں کہ ان کا نظریہ یہ تھا کہ آدمی فقہی مسائل میں آزاد بحث ومناقشہ ہی کے طریقے سے ایک واقعی فقیہ بن سکتا ہے۔یاد رہے کہ یہ کوئی ایسا تجربہ نہیں تھا جہاں تک اپنی زندگی کے آخری موڑ پر امام صاحب رحمہ اللہ کی رسائی ہو سکی تھی بلکہ تاریخ شاہد ہے کہ درس وتدریس کا زمانہ تو درکنار، خود رسمی طالب علمی کے زمانے میں بھی آپ کا یہی مزاج ومذاق تھا اور علم فقہ کے ساتھ مناسبت پیدا ہونے سے پہلے جب آپ علم کلام کی بلندیوں پر محو پرواز تھے تو وہاں بھی آپ کا یہ مزاج ومذاق واضح دکھائی دیتا ہے۔

ان دونوں باتوں کے ملانے کے بعد نتیجہ واضح ہے کہ امام صاحب کا جمیع حلقہ تلامذہ جن میں بلاشبہ ہر علم وفن کے ماہرین شامل تھے، فقہی مسائل کی تخریج وتکییف میں موقع بموقع شریک ہوتا تھا۔اور ظاہر ہے کہ ایک مؤرخ کے لیے اس بات کا حساب وشمار کرنا کافی مشکل کا سبب ہے کہ ابتداء سے لے کر انتہاء کون کونسے طلبہ امام صاحب کے حلقہ درس میں شریک ہوئے تھے۔

بہرحال یہ تو ہمارا ایک خیال ہے جس کے قبول کرنے پر بلا وجہ کسی کو مجبور نہیں کیا جا سکتا، اگر کوئی شخص تعصب وعدوات کی عینک اتار کر انصاف ودیانت داری کے ساتھ اس سے اختلاف کرتا ہے اور درج بالا باتوں کی کوئی معقول توجیہ کرے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ تاہم مقصود یہ تھا کہ کئی مؤرخین نے پورے چالیس یا اس کے قریب حضرات کا بھی تذکرہ فرمایا ہیں اور ان میں سے بہت سے حضرات کے اسماء گرامی بھی گنوائے ہیں، جس کا بے غبار مطلب یہی ہے کہ شرکاء مجلس کی تعداد عام طور پر اس مقدار سے کم نہ ہوتی تھی، ممکن ہے کہ بعض ایام میں افراد زیادہ شریک ہوئے ہوں۔ مثلاً حنفیہ کے طبقات کی مشہور کتاب ''الجواهر المضیئة'' میں ''اسد بن عمرو'' کے ترجمے کے ذیل میں لکھا ہے:

وَقَالَ الطَّحَاوِيّ كتب إِلَي ابْن أبي ثَوْر يحدثني عَن سُلَيْمَان بن عمرَان حَدثنِي أَسد بن الْفُرَات قَالَ كَانَ أَصْحَاب أبي حنيفَة الَّذين دونوا الْكتب أَرْبَعِينَ رجلا وَكَانَ فِي الْعشْرَة الْمُتَقَدِّمين أَبُو يُوسُف وَزفر وَدَاوُد الطَّائِي وَأسد بن عَمْرو ويوسف بن خَالِد السَّمْتِي وَيحيى بن زَكَرِيَّا بن أبي زَائِدَة وَهُوَ الَّذِي كَانَ يَكْتُبهَا لَهُم ثَلَاثِينَ سنة.

[**الجواهر المضية في طبقات الحنفية**:۱/۱۴۰]

ترجمہ: امام طحاویؒ فرماتے ہیں کہ مجھے امام ابن ابی ثورؒ نے لکھا کہ مجھے سلیمان بن عمران نے اسد بن فرات کے حوالہ سے بیان کیا کہ امام ابوحنیفہؒ کے وہ شاگرد جنہوں نے کتابیں مدون فرمائی چالیس افراد تھے، پہلے دس لوگوں میں ابو یوسف، زفر، داؤد طائی اسد بن عمرو، یوسف بن خالد سمتی اور یحییٰ بن زکریا بن ابی زائدہ رحمہم اللہ جیسے حضرات تھے، اور یہی (یحییٰ بن زکریا بن ابی زائدہ) شخص تھے جو تیس سال ان کی کتابیں لکھا کرتے تھے۔

(۳)۔تیسرے اشکال کا جواب

یہ اشکال اپنی جگہ درست معلوم ہوتا ہے لیکن پہلے ہم اپنے دعویٰ کی وضاحت کرنا چاہتے ہیں تا کہ اس کے بعد اشکال کی نوعیت واضح ہو سکے۔ دعویٰ یہ کہ امام صاحب رحمہ اللہ کا جو مذہب وفقہ ہے وہ محض ان کی ذاتی رائے نہیں ہے بلکہ شورائی فقہ ہے جس کا طریقہ یہ ہوتا تھا کہ امام صاحب کے مجلس درس میں جتنے اصحاب علم وفضل شریک ہوتے تھے، درپیش مسئلے کے متعلق ان سے ان کی رائے پوچھی جاتی تھی اور پھر دلائل پر گرم جوشی کے ساتھ بحث ومناقشہ ہوتا تھا جس کے بعد ایک مسئلے کے بہت سے پہلوؤں اچھی طرح واضح ہو جاتے تھے۔ اس مجلس درس وفقہ کے شرکاء کون کون حضرات تھے؟ تو اس کے متعلق ہم پہلے وضاحت کر چکے ہیں کہ سب ارا کین ہمیشہ کے لیے مخصوص نہ تھے، ان میں سے بعض حضرات اگر چہ ہمیشہ حاضر باش رہے لیکن سب

حضرات کا یہ حال نہ تھا۔ اور مشاورت ومناقشے کا یہ سلسلہ صرف حلقہ درس ہی تک محدود نہ تھا بلکہ حضرت الامام کا مزاج ہی یہی تھا کہ موقع ومحل کی مناسبت سے مختلف ائمہ علم وفضل سے فقہی مسائل میں بحث ومباحثہ کا تسلسل جاری رہتا تھا۔

اس تشریح وتفصیل کے بعد ہم جب اس اشکال کا جائزہ لیتے ہیں تو واضح ہوتا ہے کہ اشکال کی بنیاد ہی اس مفروضے پر ہے کہ جن مشہور اراکین کا نام لیا جاتا ہے ان کا روزِ اول سے تا دمِ آخرین اس مجلس میں شریک رہنا ضروری ہے جبکہ ان میں سے بعض شرکاء کی ولادت ہی اس مجلس کے شروع ہونے کے بعد ہوئی تھی اور بعض گو اس سے پہلے پیدا ہوئے تھے لیکن عمر انتہائی کم تھی جو کسی فقہی مناقشے میں شرکت کی قابل نہ تھی۔ لیکن جب اس بنیادی مفروضہ کا غلط ہونا ہی واضح ہوا تو اس کے بعد مزید کسی جواب دینے کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔

مثال کے طور پر امام محمد رحمہ اللہ کی تاریخ ولادت ۱۳۵ھ ہے جبکہ مجلس کے بارے میں بتایا جاتا ہے کہ سن ۱۲۱ھ میں اس کی ابتداء ہوئی تھی تو امام محمد رحمہ اللہ کیونکر اس میں شریک ہو سکتے ہیں؟ یوں ہی مجلس کی رکن رکین حضرت امام ابو یوسف رحمہ اللہ کو گردانا جاتا ہے جبکہ ان کی تاریخ ولادت ۱۱۳ھ ہے تو آٹھ سال کے عمر میں وہ کہاں ایسی اہم مجلس کے رکن بن سکتے ہیں؟ جواب یہ ہے کہ ہمارا یہ دعویٰ ہی نہیں ہے کہ حضرات صاحبین اور ان جیسے دیگر حضرات ابتدا سے یعنی سن ۱۲۱ھ سے آخر تک ۱۵۰ھ برابر استقامت کے ساتھ شریک کار رہے تھے اور ابتداء مجلس ہی سے وہ اس مجلس کی صدارت یا اس کے اہم رکن ہونے کے مستحق تھے، بلکہ ابتدائی سالوں میں دیگر حضرات تھے اور زمانے گزرنے کے ساتھ ساتھ شرکاءِ مجلس بھی تبدیل ہوتے رہتے البتہ اوسط کم از کم چالیس کے قریب ہوتا تھا اور چونکہ بعض یا اکثر شرکاءِ مجلس کی حیثیت تلامذہ کی ہوتی تھی جو تلمذ وتعلم کے ارادے سے آئے ہوتے تھے اس لئے ابتداءِ شمولیت ہی کے زمانے سے ان سب حضرات کا ماہر علم فقہ یا فقیہ ہونا ضروری نہیں ہے، اگرچہ بعد میں یہ تمام حضرات آسمان فقہ کے آفتاب وماہتاب بن کر چمکیں۔

(۴) - چوتھے اشکال کا جواب

چوتھا بنیادی اشکال جو اس مجلس کے متعلق کیا جاتا ہے وہ یہ تھا کہ "اگر مجلس کی یہ کہانی افسانہ نہیں ہے حقیقت ہے تو کیوں اس کا مجموعہ امت کے سامنے نہیں ہے جبکہ دیگر ائمہ مجتہدین کا علمی ذخیرہ، باوجودیکہ ان کے ہاں ایسی کوئی مجلس نہیں تھی، امت کے سامنے محفوظ ہے۔۔۔اس جیسے اشکال کو اگر نکتہ استفہام بنا کر کسی مسئلہ کی کھوج لگائی جائے اور تہہ تک پہنچنے کی کوشش کی جائے تو مضائقہ نہیں ہے بلکہ تلاشِ حق کی بنیادی سیڑھی ہے لیکن اگر اس کو ایک واقعی اشکال کا درجہ دیا جائے اور اس کی بنیاد پر کسی ثابت شدہ تاریخی واقعے کی

تردید کی جائے تو ظاہر ہے کہ ایسا کرنا حدود سے تجاوز کے زمرے میں آتا ہے۔ دنیا جہاں کی تاریخ میں کتنے ہی ایسے کارنامے وجود میں آئے جن کا نام ونشان تک ہمیں معلوم نہیں ہے، علم وفن اور تحقیق وتدقیق کے میدان میں بھی ایسے کارناموں کی کوئی کمی نہیں ہے جن کا وجود تو کجا، اس کی تفصیلات بلکہ بنیادی خدوخال کا بھی کوئی سراغ نہیں لگایا جاسکتا۔ مخطوطات کی دنیا سے واقف کار لوگوں پر مخفی نہیں ہے کہ ہزاروں نفیس مخطوطات عالم نیست کا حصہ بن چکی ہیں اور ہزاروں باکمال افراد خمول وگمنامی کے دبیز پردوں تلے دبے پیوند خاک ہوچکے ہیں، تو کیا محض اس بنیاد پر ان سارے کارناموں اور مخطوطات کا انکار کیا جاسکتا ہے کہ ہمارے سامنے یہ چیزیں موجود نہیں ہیں؟

ضابطے کی بات:

اُصول کی بات یہ ہے کہ حس ومشاہدہ علم وتحقیق کے من جملہ ذرائع میں سے ایک ذریعہ ہے، لیکن ذرائع علم کچھ اسی میں منحصر نہیں ہیں بلکہ بنیادی ذرائع علم تین ہیں: ۱: حواس۔ ۲: عقل سلیم۔ ۳: سچی خبر۔ آخری دو ذرائع سے جو باتیں معلوم ہوجاتی ہیں ان کا حواس سے پرکھ کر دیکھنا اور حس ہی پر اس کی سچائی کا دارومدار رکھنا ایسا ہی غلط ہے جس طرح حواس کے ذریعے ثابت شدہ معلومات کو عقل یا خبر صادق کا تابع کرنا غلط ہے۔ ان اسباب علم کو آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ جوڑ کر رکھنے کا نتیجہ یہی ہوگا کہ علم وتحقیق کی دنیا میں ایسا آدمی یتیم ہوکر رہ جائیگا اور بہت سے یقینی باتوں سے ہاتھ دھونا پڑے گا بلکہ شاید اس کے ذریعے لوگوں کو **''لاادریت''** کے مشاہدہ کرنیکی نوبت آجائے کیونکہ ایسی چیزیں بہت کم ہیں جن کا علم ان تینوں ذرائع سے یکساں طور پر حاصل ہوتا ہے۔

لہٰذا جب تاریخی طور پر اس علمی مجلس اور فقہی مناقشے کا ہونا ثابت ہوتا ہے تو اس کے بعد محض اس کے ذخائر ودفاتر نہ ملنے کی وجہ سے انکار کرنا کسی طرح قرینِ انصاف نہیں ہے۔

الحاصل: ایک تو مجلس فقہی کے التزام اور تدوین فقہ کے فکر واہتمام سے جس طرح یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ ضرور اس مجلس میں کسی خاص شکل میں فقہی مسائل کی ترتیب وتدوین کا کام ہوچکا ہوگا۔ اور ساتھ ساتھ کئی مستند مورخین نے اس بات کی تصریح بھی فرمائی ہیں کہ اس مجلس میں طے شدہ مسائل کو درج کرنے کا معمول تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی واضح رہے کہ بہت سے مورخین نے امام صاحب کی ''کتابوں'' کا خصوصی ذکر بھی کیا ہیں اور لکھا ہیں کہ آپ کے معاصرین اور ان کے بعد آنے والے حضرات کو بھی آپ کے علمی ذخیرے سے خصوصی دلچسپی رہتی تھی۔ علامہ ابن حجر ہیتمی شافعی رحمہ اللہ نے آپ کی خصوصیات وامتیازات کے متعلق ایک مستقل باب باندھا ہے، اس میں تحریر فرماتے ہیں:

منها أنّه أوّل مَن دوّن علم الفقه ورتّبه أبوابا و كتبا على نحو ما هو عليه اليوم وتبعه مالك في مؤطّئه ومَن قبله إنّما كانوا يعتمدون على حفظهم وهو أوّل مَن وضع كتاب الفرائض و كتاب الشّروط.

[الخيرات الحسان، الفصل الثّاني عشر في الصّفات الّتي تميّز بها على مَن بعده:۳۲]

ترجمہ: امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی بعض خصوصیات یہ ہیں کہ وہ سب سے پہلے شخص تھے جنہوں نے فقہ مدون کیا اور ابواب اور کتابوں میں اس کو مرتب کیا، جس طرح کہ آج موجود ہے، پھر امام مالکؒ نے موطأ میں ان کی پیروی کی اور آپ (حضرۃ الامام) سے پہلے حضرات اپنی یادداشت پر اعتماد فرماتے تھے، اور وہ پہلی شخصیت ہے جس نے کتاب الفرائض اور کتاب الشروط کو مدون کیا۔

اس کے ایک دو صفحات بعد مزید لکھتے ہیں:

قال يزيد بن هارون لمّا سُئل عن النّظر في كتبه: أنظروا فيها فإنّي ما رأيتُ أحدا مِن الفقهاء يكره النّظرَ في قوله ولقد احتال الثّوري في كتاب الرّهن له حتّى نسخه.

[الخيرات الحسان، الفصل الثّاني عشر في الصّفات الّتي تميّز بها على مَن بعده:۳۴]

ترجمہ: یزید بن ہارونؒ سے جب امام صاحبؒ کی کتابوں کا مطالعہ کرنے سے متعلق سوال کیا گیا، تو آپ نے فرمایا کہ: اس کا مطالعہ کیا کرو کیونکہ میں نے فقہاء میں سے کسی کو ایسا نہیں دیکھا کہ ان کی کسی بات کا مطالعہ بُرا سمجھتے ہوں، اور سفیانِ ثوریؒ نے کسی طرح ان سے کتاب الرہن لیلی اور پھر اس کا نسخہ بنایا۔

یہی بات علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ نے بھی تائید و تقریر کے طور پر نقل فرمائی ہے۔

[تبييض الصحيفة بمناقب الإمام أبي حنيفة:۱۱۹]

خلاصہ یہ ہے کہ امام صاحب رحمہ اللہ کا فقہ کی تدوین کرنا ایک تاریخی واقعہ ہے جو مستند مؤرخین نے ذکر فرمایا ہے اور تاریخی واقعے کی صحت وثبوت کے لئے مجموعے کا سامنے ہونا کوئی ضروری نہیں ہے۔ لہٰذا اگر اشکال کو تسلیم کر کے یہ قرار بھی دیا جائے کہ ایسا کوئی ذخیرہ دنیا میں موجود نہیں ہے تو بھی اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ امام صاحب اور ان کے اصحاب وتلامذہ نے فقہ کے تدوین وترتیب میں کوئی کردار ادا نہیں کیا۔

عبید الرحمٰن

مفتی: دارالافتاء جامعہ محمدیہ

مایار، مردان

☆......☆......☆......☆

مولانا مفتی سفیان عطاء، ڈیرہ غازی خان

نقض النقض

مولانا ظفر احمد عثمانی کی ''قواعد فی علوم الحدیث'' کی تردید میں لکھی گئی کتاب ''نقض'' کا تحقیقی جائزہ

تمہید:

مولانا ظفر احمد عثمانیؒ نے ''قواعد فی علوم الحدیث'' میں فصل اول کے تحت یہ مدعا پیش کیا ہے کہ احادیث ورجال پر لگائے جانے والے احکام اجتہادی ہیں۔توثیق وتضعیف، ثقاہت وضعف ایسے امور میں محدثین نے اجتہاد وآراء سے کام لیا ہے۔چنانچہ اس بارے میں انہوں نے امام ترمذی، امام طبری، علامہ ابن تیمیہ، حافظ ذہبی اور حافظ ابن حجر کی صریح نقول پیش کی ہیں، جن میں امور مذکورہ کے اجتہادی ہونے کی تصریح ہے۔اسی طرح دوسرے مرحلہ پر انہوں نے ابن الصلاح، امام نووی اور علامہ سیوطی کی ایسی عبارات پیش کی ہیں جن سے اقتضاء النص کے طور پر یہی مدعا ثابت ہوتا ہے۔مولانا عثمانی کا یہ موقف سات (۷) صفحات میں ہے۔

اہل حدیث (بہ اصطلاح جدید) عالم مولانا بدیع الدین راشدی نے اپنی تحریر ''نقض قواعد فی علوم الحدیث'' میں مولانا عثمانیؒ کے موقف سے کلی اختلاف کیا ہے۔مولانا راشدی کا یہ موقف مسلسل عبارات میں اگر دیا جائے، تو ان کا حجم دو (۲) صفحات بنتے ہیں، لیکن محشی شیخ صلاح الدین کے طویل حواشی نے ان کا حجم بڑھا دیا ہے۔

ذیل میں ہم اولاً ''نقض'' کے مندرجات لائیں گے، اور اس کے بعد ''نقض النقض'' میں ان کا تحقیقی جائزہ لیا جائے گا۔واللہ الموفق.

نقض:

(1)-حدیث کی شروط واحکام میں محدثین کا کوئی اختلاف نہیں۔اور اگر بظاہر اختلاف ہو بھی، تو محدثین کے قائم کردہ ''اُصول'' کی طرف مراجعت کرنے سے یہ ختم ہو جاتا ہے۔

(2)-علم حدیث واسناد کی یہ خصوصیت ہے کہ اس میں اجتہاد، ظن وتخمین کی کوئی گنجائش نہیں۔یہ سب مشاہدات اور مسموعات کے قبیل سے ہیں۔رواۃ پر لگائے جانے والے احکام میں رائے وقیاس کو دخل نہیں۔''أخطأ فلان'' وغیرہ احکام یقینی ہیں، احتمالی نہیں۔

(3)-احادیث پر لگائے جانے والے احکام کی قطعیت کی وجہ سے اہل علم نے تصریح کی ہے، کہ احادیث صحیحہ پر عمل واجب ہے، اور وجوب عمل، قطعیت صحتِ اسناد کی بنیاد پر ہے۔

(4)-محدثین کے احکام دربارہ حدیث ورجال تسلیم کرنا، معاذ اللہ تقلید نہیں۔ کیوں کہ اگر یہ اتفاقی ہیں تو ان کی پیروی تقلید نہیں۔ اور اگر اختلافی ہیں، تو دلائل وقرائن کی بنیاد پر کوئی قول اختیار کرنا تقلید نہیں۔

(5)-خبر واحد کو ''کتاب اللہ'' اور ''سنت'' پر پیش کرنا غلط ہے، کہ وہ خود ہی سنت ہے۔ اور چونکہ خبر واحد صحیح کتاب اللہ وسنت کے مخالف نہیں ہوسکتی، لہٰذا پیش کرنا درست نہیں۔

نقض النقض:

مولانا راشدی کے اس نقض کا حاصل یہ ہے کہ احادیث آحاد قطعی ہیں۔ ان پر عمل کا وجوب اسی وجہ سے ہے۔ ہر حدیث قابل قبول ہے، واجب العمل ہے۔ علوم حدیث میں محدثین کی آراء قطعی ہیں، اور ان کو تسلیم کرنا تقلید نہیں۔ ذیل میں ہماری گفتگو انہی نکات پر مرتکز ہوگی۔

(1)-خطیب بغدادی نے ''الکفایۃ فی علوم الروایۃ'' میں ایک باب کا عنوان اس طرح دیا ہے:

''**باب الرد علی من قال: یجب القطع علی الخبر الواحد**''.(ص:۲۸)

اس طرح ایک باب میں انہوں نے ان لوگوں کی تردید کی ہے، جن کے بقول خبر واحد علم قطعی کا فائدہ دیتی ہے، ان کے الفاظ ہیں: **ذکر شبهة من زعم أن الخبر الواحد یوجب العلم وإبطالها**. (ص:۳۶)

راشدی صاحب کو یہ تسامح ہوا ہے کہ خبر واحد کے موجب للعمل ہونے کی بنیاد اس کا موجب للعلم ہونا ہے حالانکہ وجوب عملی دراصل غلبہ ظن کی بنیاد پر ہے۔ شیخ ابن تیمیہ لکھتے ہیں: **یجب العمل بظنی الدلالة فی الأحکام الشرعیة وکذلک الوعید.** (فتاوی ابن تیمیہ:۱۴۲/۲ـ۱۴۹) ابن حجر لکھتے ہیں: **لأن الأحکام لا یشترط فیها القطعیات**.(النکت:۳۰۱/۲)

(2)-محدثین تصریح کرتے ہیں کہ کسی حدیث پر صحت وضعف کا حکم ظاہری ہوتا ہے، قطعی نہیں۔ چنانچہ امام نوویؒ فرماتے ہیں: **وإذا قیل: صحیح، فهذا معناه: لا أنه مقطوع به .وإذا قیل: غیر صحیح، فهذا معناه: لم یصح إسناده.** سیوطی اس کی تشریح کرتے ہیں: ''**عملا بظاهر الإسناد؛ لجواز الخطأ والنسیان علی الثقة، خلافا لمن قال: أن الخبر الواحد یوجب القطع.**''(التدریب مع التقریب:۷۰)

امام سخاوی فرماتے ہیں: **(وبالصحيح والضعيف قصدوا فى ظاهر لا القطع) بصحة أو ضعف، إذا القطع إنما يستفاد من التواتر أو القرائن المحتف بها الخبر ولو كان أحادا.** (فتح المغیث: ۱ر۳۰)

یہی قول ابن صلاح، ابن وزیر یمانی، امیر صنعانی وغیرہ متعدد اصولیین اہل علم کے ہاں بالتصریح ملتا ہے۔ (مقدمہ ابن الصلاح، النوع الاول، ص: ۱۵۲، تنقیح الاظفار: ۱ر۵۹، توضیح الافکار: ۱ر۵۹-۶۲) بالخصوص مؤخر الذکر نے اس مسلک پر ادلہ بھی پیش کیے ہیں۔

(3)- احادیث کی صحت کی یہ ظنیت، ان کی صحت کی اجتہادی و اختلافی حیثیت ظاہر کرتی ہے۔ اسی وجہ سے فقہاء اسلام کے اختلافات ان مسائل میں ہیں، جن مسائل کی ادلہ ثبوت و معنی کے لحاظ سے ظنی ہیں۔ امور قطعیہ میں ان کے ہاں معتد بہ اختلاف نہیں۔ کبار اہل اسلام کے اختلافی مسائل میں ان کا برحق ہونا اور ان کی پیشوائیت احادیث کی ظنیت کو مستلزم ہے۔ یہ بات ان کے مقام عالی سے فروتر ہے کہ وہ قطعیات میں اختلاف سے کام لیں، کیونکہ ان اختلافی مسائل میں ان کے پاس مختلف ادلہ موجود ہیں۔ پس اگر احکام کی قطعیت کا قول اختیار کیا جائے تو لازم آئے گا کہ ہر فریق کے پاس قطعی دلیل موجود ہے، اور یہ لازم آئے گا کہ نبی اکرم ﷺ سے قطعیات متعارضہ ثابت ہیں، ظاہر ہے کہ کوئی عاقل اس قول کو اختیار نہیں کرسکتا۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ لکھتے ہیں: **"والقطعيات لا يجوز تعارضها، فلو تعارضت لزم الجمع بين النقيضين."** (مختصر منہاج السنہ: ۴۸۸-۵۰۸) ابن قیم نے لکھا ہے کہ: **لا يشك فيه أحد من العقلاء. (الصواعق المرسلة: ۷۹۲)** حافظ ابن حجر نے بھی ایک بحث میں قطعی کے غیر متعارض ہونے پر تصریح کی ہے۔ **وفيها المتعارض، والقطعي لا تعارض فيه.**

(النكت على ابن الصلاح: ۲۷۸)

نیز قطعیت احکام محدثین تسلیم کرنے سے فقہاء اسلام کے مذاہب کا بطلان لازم آئے گا۔ اور یہ قول صرف روافض کا اختیار کردہ ہے، کہ مذاہب اربعہ باطل ہیں۔ جیسا کہ منہاج السنہ میں تصریح ہے۔

(4)- احادیث کی صحت و تضعیف کی بنیاد رجال سند پر لگایا گیا حکم اور رجال پر لگائے جانے والے احکام دراصل وہ اقوال ہیں، جو جارحین، معدلین کے مشاہدات، تاثرات اور خیالات پر مبنی ہوتے ہیں۔ جن میں داخلی و خارجی عوامل، سامع و متکلم، متکلم فیہ کا مقام و مرتبہ، علم و فہم اثر انداز ہوتا ہے۔ نیز اس میں مجلسی امور، سیاق و سباق، صحت و عدالت، تفاوت فہم و ادراک غرضیکہ متعدد امور کارفرما ہوتے ہیں، اسی وجہ سے جارحین و معدلین اور جرح و تعدیل کی شرائط اور ان کی درجہ بندی کی گئی ہے۔ اور چوں کہ یہ سب امور ظنی

ہیں، تو ان پر موقوف بھی یقیناً ظنی ہوگا۔ موقوف علیہ کی ظنیت موقوف کی قطعیت سے مانع ہے۔

(5)- محدثین کے احکام مختلفہ متعارضہ کو قطعی تسلیم کرنے سے یہ صورت لازم آئے گی کہ ایک ہی حدیث ایک عرصہ قطعی، ایک عرصہ ظنی پھر قطعی وظنی........ **وھلم جرّا**، اس طرح ایک کے ہاں قطعی، دوسرے کے ہاں ظنی رہے گی، اور یہ یقیناً تلاعب بالشرع ہے۔

(6)- رواۃ میں اوصاف ملاحظہ کرنے کے بعد ان پر حکم لگانا، اسی طرح جارح ومعدل کی شہادت کو قبول کرنا یقیناً امر شرعی ہے، لیکن کسی امر کے شرعی ہونے کا مطلب اس کا قطعی ہونا نہیں ہے، کیونکہ اس میں بھی غلطی وخطا کا امکان رہتا ہے۔ اسی وجہ سے شریعت میں گواہوں کے منحرف ہونے کی صورت میں مستقل احکام موجود ہیں۔ ان احکام کی موجودگی اس معاملہ شہادت کی ظنیت کا اعتراف ہے۔ ایک حدیث میں ارشاد گرامی ہے: **ولعل بعضکم ألحن بحجته من بعض، فمن قضيت له بحق شيء فإني أقطع له قطعة من النار**. اس کی تشریح میں ابن حجر لکھتے ہیں: **وفيه أنه ربما أداه اجتهاده إلى أمر فيحكم به، ويكون في الباطن بخلاف ذلك**۔ (فتح الباری، الأحکام، باب من قضی له بحق أخيه) جب شارع علیہ السلام کا اجتہاد خلاف واقعہ ہوسکتا ہے، تو کسی اور کے اجتہاد کی قطعیت کیسے ممکن ہے؟ اور اسی وجہ سے محدثین نے جرح مبین ضروری قرار دی ہے، تا کہ کسی جارح کے ظن فاسد کی بنیاد پر راوی مجروح قرار نہ پائے۔ ظاہر ہے کہ اگر کسی جارح کا قول ہر حال میں درست ہوتا، محتمل الخطا نہ ہوتا، تو جرح مبین کی شرط بھی نہ لگائی جاتی۔

(7)- مولانا مبارکپوری نے ایک حدیث کے دو مختلف طرق ہونے کی وجہ سے احکام میں اختلاف کے ہونے پر جواب دینے کی کوشش کی ہے، کہ احکام میں اختلاف کی بنیاد طرق مختلفہ ہیں، لیکن سوال بحالہ باقی ہے کہ جب دونوں فریق شواہد وقرائن کی بنیاد پر حکم لگاتے ہیں، تو یہ حکم قطعی ماننے کی صورت میں قطعیات میں اختلاف لازم آئے گا۔ **وھو لا یجوز عند العقلاء**.

(8)- محدثین کے ہاں اصول حدیث میں متعدد ایسی مباحث ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے ہاں اصول حدیث کی مباحث اجتہادی ہیں۔ ان میں اختلاف نہ صرف عقلاً ممکن ہے، بلکہ واقع بھی ہوا ہے۔

ذیل میں ان مباحث کی فہرست ملاحظہ ہو۔

صحت سند کی بحث، مراتب رجال میں اختلاف، حتی کہ وضاع وکذاب میں بھی اختلاف ہے (شرح علل الترمذی ملاحظہ ہو)۔ جواز الروایۃ بالمعنی، ادراج کے تعین میں اختلاف، احادیث کی درجہ بندی،

تقسیم دراصل تفاوت کی بنیاد پر ہوتی ہے۔ اگر احادیث کا درجہ ایک ہوتا تو تقسیم نہ ہوتی۔ صحت سند سے صحت متن لازم نہ آنا وبالعکس، ضعف سند سے ضعف متن لازم نہ آنا وبالعکس، ضعیف کا حسن لعینہ تک ارتقاء اور حسن لذاتہ تک ارتقاء، صحت کی شرائط میں عدم شذوذ ہونا، کیونکہ شذوذ کا تعین دیگر متون واسانید کے ساتھ تقابل کرنے سے ہوگا۔ اور یہی دلیل ہے کہ کسی متن کا تعین اور اس کی صحت کے لیے اسے دیگر متون پر پیش کیا جا سکتا ہے۔ اور اس کا نام ظنیت ہے۔ یہ معاملہ احاد میں ہوتا ہے، اور اسی وجہ سے متواترات کی صحت کو قرآن وحدیث پر پیش کرنا ممکن نہیں کہ ان میں تعارض واختلاف نہیں ہوتا۔

حدیث کی تعریف میں رجحان الصدق، رجحان الکذب کے الفاظ اس کی ظنیت کو بتاتے ہیں، احادیث معللّہ ومضطربہ کی امثلہ میں اہل علم کا اختلاف، ایک دوسرے کی امثلہ پر نقد وجرح کرنا متون کی ظنیت کو بتاتا ہے۔

اگر تمام احادیث کی ظنیت کو مان لیا جائے، تو پھر خود محدثین کے اقوال میں تعارض وتناقض لازم آئے گا۔ نیز اس صورت میں صحیحین کو دیگر کتب پر کوئی فوقیت نہیں رہتی۔

قارئین کرام! سطور بالا سے یہ بات اظہر من الشّمس ہوتی ہے کہ مسائل مجوثہ ظنی واجتہادی ہیں۔ نقل وعقل اس کے بیّن شاہد ہیں۔ اور حیرانی ہے کہ مولانا راشدی نے مولانا عثمانی کے بارے میں کس دیدہ دلیری سے لکھ دیا: **"أقول: هذا مبني على قلة الاطلاع على أصولهم"**. (نقض:۱۲) یعنی مولانا عثمانی کو محدثین کے اُصولوں پر زیادہ واقفیت نہیں۔ ع جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

حافظ ابن حجر تصحیح المتاخرین کی بحث میں لکھتے ہیں: **فليس بدليل ناهض على رد ما اختاره ابن الصلاح؛ لأنه مجتهد، وهم مجتهدون، فكيف ينقض الاجتهاد بالاجتهاد.** (توضیح الأفکار: ۱/۱۱۴) علامہ شوکانی نے بھی جرح وتعدیل کو اجتہادی مباحث کے تناظر میں لیا ہے: **والحق الحقيق بالقبول أن ذلك محل اجتهاد المجتهد.** (ارشاد الفحول: ۱/۳۲۵) ابن حجر نے "النکت" میں متعدد مواضع پر اصول حدیث کی مباحث میں اجتہادی ہونے کی تصریح کی ہے۔ (ملاحظہ ہو ۱/۱۰۰، ۱۱۳، ۱۲۸، ۲/۳۰۱)

خود امام ذہبیؒ جن کا حوالہ رفع تعارض میں راشدی صاحب نے دیا ہے، فرماتے ہیں: **بل الحافظ الواحد يتغير اجتهاده في الحديث الواحد.** (الموقظة)

(9)- راشدی صاحب نے ایک موقف یہ اختیار کیا کہ محدثین کے احکام کو تسلیم کرنا تقلید نہیں۔ ذیل میں اہل علم محدثین کی عبارات ملاحظہ ہوں، جن میں انہوں نے اسے تقلید ہی قرار دیا ہے۔

حافظؒ لکھتے ہیں: **ولولا أن جماعة من المصنفين كالمجد بن الأثير في مقدمة جامع الأصول تلقوا كلامه فيها بالقبول؛ لقلة اهتمامهم بمعرفة هذا الشأن واسترواحهم إلى تقليد المتقدم دون البحث والنظر لأعرضت عن تعقب كلامه.** (النکت: ۲۱۲/۱) ایک جگہ علامہ عراقی کے بارے میں لکھا: **وكان شيخنا كان قلد في هذا غيره.** (ایضاً: ۱۵۵/۱) امام حاکم سے نقل کرتے ہیں: **فهولاء الذين ذكرتهم: وقد ظهر عندي جرحهم؛ لأن الجرح لا استحله تقليدا.** (ایضاً: ۱۷۱/۱) ایک جگہ غیر ماہر کے بارے میں یوں کہتے ہیں: **وإن كان غير متأهّل لدرك ذلك...فسبيله...أن يقلد في ذلك.** (ایضاً: ۲۸۳/۱) متقدمین کی شدتِ تفحص، قوتِ مدارک اور صحت نظر کے موجب ان کے احکام کے بارے میں لکھتے ہیں: **يوجب المصير إلى تقليدهم في ذلك والتسليم لهم فيه.** (ایضاً: ۲۰۱/۲)

تقلید کے اس مفہوم کو ابن حجر نے اتباع سے بھی تعبیر کیا ہے: **الأولى اتباع في ذلك، كما نتبعه في تصحيح الحديث إذا صححه.** (ایضاً: ۱۸۷/۲) اور ظاہر ہے کہ تقلید و اتباع ایک ہی چیز کے دو نام ہیں۔ ان جملہ عبارات محولہ سے ثابت ہوا کہ محدثین کے احکامات تسلیم کرنا تقلید ہی کا نام ہے۔ معلوم نہیں، کہ مولانا راشدی کے علمی وارثین ان کے ''استعاذہ'' سے استفادہ کریں گے یا اعتراف حق؟ **وإنها لكبيرة إلا على الخاشعين.**

(**10**)- جہاں تک خبر واحد کو دیگر نصوص پر پیش کرنے کا معاملہ ہے تو مولانا عثمانی کے موافق درجنوں محدثین کے اقوال موجود ہیں، جن کا مفاد یہ ہے کہ خبر واحد کو قرآن و متواتر روایات اور سنت پر پیش کیا جا سکتا ہے۔ ذیل میں چند حوالہ جات ملاحظہ ہوں۔ بغدادی ''الکفایۃ'' میں لکھتے ہیں: **لا يقبل خبر الواحد في منافات حكم العقل، وحكم القرآن الثابت المحكم، والسنة المعلومة، والفعل الجاري مجرى السنة، وكل دليل مقطوع به، وإنما يقبل به فيما لا يقطع به مما يجوز ورود التعبد فيه.** (ص: ۴۶۴) علامہ شوکانی لکھتے ہیں: **كل خبر استلزم باطلا، ولم يقبل التأويل، ومن ذلك الخبر الآحادي إذا خالف القطعي كالمتواتر. وقد يترجح صدقه ولا يقطع بصدقه، وذلك كخبر العادل، وقد يترجح كذبه ولا يقطع بكذبه كخبر الفاسق.** (ارشاد الفحول: ۲۳۹/۱)

خود علامہ ابن القیم نے خبر واحد کو صدق و کذب کے مابین دائر قرار دیا ہے، اور لکھا: **فليس كل خبر واحد يفيد العلم والظن.** (الصواعق المرسلہ: ۳۵۹/۲) اور ظاہر ہے کہ تعیین اُحد الاُمرین کے لیے

اس خبر کو دیگر نصوص پر پیش کرنا ہی ہوگا اور یہ بات ''الکفایۃ'' میں بغدادی نے بھی لی ہے۔ ابن القیم نے ''المنار المنیف'' میں تکذیب خبر کی علامات میں اس کا سنت صریح کے مخالف ومناقض ہونا، مخالف قرآن ہونا اور شواہد صحیحہ کے خلاف ہونا قرار دیا ہے۔ (ص:۵۷، ۸۰، ۷۶) احادیث الاحکام کا مطالعہ کرنے والے اہل علم جانتے ہیں کہ شراح حدیث کے ہاں یہ نقد جا بجا ملتا ہے کہ فلاں روایت قرآن وسنت کے خلاف ہونے کی وجہ سے قابل توقف ہے، دور صحابہ وتابعین میں اس کی متعدد امثلہ ملتی ہیں۔

نیز محدثین کا خبر واحد کو سنت کے معارض نہ ہونے پر قبول کرنا اس بات کی واضح غمازی کرتا ہے کہ ان کے ہاں سنت وحدیث میں فرق ہے۔ اور یہی بات درست ہے۔ شیخ الاسلام ابن الصلاح لکھتے ہیں: **وقد يكون الإنسان من أهل الحديث، وهو مبتدع** .(فتاویٰ ابن الصلاح:۲۱۳/۱) اور ظاہر ہے کہ سنت پر کاربند شخص بدعتی نہیں ہوسکتا۔

حدیث وسنت کے مابین متعدد فروق ہیں:

- حدیث کے درجات میں تفاوت ہے۔ سنت کے درجات میں تفاوت نہیں۔
- سنت حدیث میں مذکور ہوسکتی ہے۔ ضروری نہیں کہ ہر سنت حدیث سے ثابت ہو، تعامل سے اس کا ثبوت ہوسکتا ہے۔
- اہل الحدیث اور اہل السنۃ کا اطلاق اس وقت مختلف ہوگا جب دونوں ایک ہی سیاقِ عبارت میں ہوں گے۔ اور اگر دونوں الگ الگ استعمال ہوں تو ان کا اتحاد ممکن ہے۔
- اہل حدیث کے معتقدات صحابہ کے برخلاف ہوسکتے ہیں، جبکہ اہل السنۃ کے معتقدات جمہور امت کے موافق ہوں گے۔ چنانچہ ابن شاہین کی شرح مذاہب اہل السنۃ اور دیگر متعدد اہل علم کی اس موضوع پر کتب کے مندرجات بتاتے ہیں کہ ''سنت'' کے مفہوم میں سلف صالحین کے معتقدات مراد لیے گئے ہیں، احادیث نہیں۔
- حدیث غیر معمول بہ ہوسکتی ہے، جبکہ سنت معمول بہ ہوگی۔ اس تناظر میں عبداللہ بن وہب کا مقولہ ہے: **لولا مالك والليث لضللت، كنت أظن أن كل ما جاء عن النبي ﷺ يعمل به.**

(الانتقاء:۲۷)

نکات بالا یہ واضح کرتے ہیں کہ حدیث وسنت کے مابین متعدد فرق ہیں، چنانچہ اس وجہ سے خبر واحد کو سنت پر پیش کرنا ضروری ہے۔ اور مولانا راشدی سے یہاں بھی ذہول ہوا کہ انہوں نے حدیث وسنت کو ایک قرار دیا اور پھر عرض الشیء علی نفسہ کا اعتراض لازم قرار دیا۔

نقض:

(1)-فقہ الحدیث صرف محدثین کا خاصہ ہے۔انہی کا حظّ وافر ہے،جیسا کہ حاکم نے ''معرفۃ علوم الحدیث'' میں ایک مستقل باب اس پر قائم کیا ہے۔اللہ تعالیٰ نے فقہ الراء والقیاس سے محدثین کو مستثنیٰ کر دیا ہے۔

(2)-حنفیہ کے ہاں یہ بڑی جسارت ہے کہ وہ اپنے مستحدث اصول وقیاسات کی بنیاد پر بہت سی احادیث کو رد کر دیتے ہیں۔حنفیہ خواہش نفس سے کام لے کر ردو قبول کرتے ہیں۔

(3)-چنانچہ ایک حنفی عالم نے ایک بھری محفل میں حدیث مصرّاۃ کو خلاف قیاس کہہ کر رد کر دیا تو ایک سانپ عذاب الٰہی بن کر اس پر ٹوٹ پڑا،جب تک اس نے توبہ نہ کی،وہ نہ ٹلا۔

نقض النقض:

(1)- فقہ الحدیث کے دو درجے ہیں: [۱]- فقہ العامۃ: یعنی حدیث کے منطوق ظاہری کا فہم وتفقہ،کسی امر آخر کا اعتبار کیے بغیر۔[۲]- فقہ الخاصۃ: یعنی حدیث کا فہم وتفقہ بما لہ وما علیہ،یعنی شریعت کے جامع مطالعہ کے ساتھ۔قسم اول محدثین اور قسم دوم فقہاء معروفین کا خاصہ ہے۔ذیل میں چند عبارات سے فقہ کی ان دو اقسام کے مابین فرق واضح ہوگا۔

- یوسف بن عدی کے بقول: ان کے معاصرین واساتذہ میں صرف عبداللہ بن وہب فقیہ،محدث اور زاہد تھے۔(الرفع و التکمیل:۹۱) حالانکہ ان کے اساتذہ کے نام درج ذیل ہیں:

  مالک بن انس،عبدالرحمن بن ابی الزناد،رشدین بن سعد،معمر بن سلیمان،دراوردی۔

(تہذیب التہذیب:۴۵۷/۴)

- سلیمان بن حیان کہتے ہیں کہ ہم نے ایسے اہل علم سے بھی سماع کیا ہے،جن سے سفیان ثوری نے خود سماع کیا ہے۔لیکن حدیث کی تفسیر کے لیے ہم ثوری کے پاس آیا کرتے تھے۔(الرفع و التکمیل:۹۱)
- انس بن سیرین کے بقول: کوفہ میں ایک وقت میں چار ہزار طلبہ حدیث اور صرف چار سو طلبہِ فقہ تھے۔(الرفع و التکمیل:۲۳۳)
- اسحاق بن راہویہ کے بقول: محدثین کی ایک جماعت میں احادیث کی تفسیر ومراد کا بیان امام احمد بن حنبلؒ کے سوا کوئی نہیں کرسکتا تھا۔(مناقب الامام احمد)
- محدثین فقہ خاص سے متعلقہ سوالات کے کلیۃ اعراض کرتے تھے،چنانچہ یحیٰی بن معین سے ایک سوال ہوا،تو کہا اس کا جواب تو احمد ہی دے سکتا ہے۔(مناقب الامام احمد)

- عبدالرزاق بن ھمام نامی گرامی محدث ہیں، جن کے بارے میں بطور مبالغہ کہا گیا کہ یہ اگر مرتد بھی ہو جائیں، تو بھی ان کی روایت معتبر ہوگی۔ (تہذیب التہذیب) امام احمد ان کے بارے میں فرماتے ہیں: اصحاب الحدیث میں یہ نہایت قلیل الفقہ شخص تھے۔ (طبقات الحنابلہ: ۱/۳۲۱)
- یہاں یہ بات قابل نظر ہے کہ ان اکابر اسلام محدثین سے فقہ وتفقہ کی نفی دراصل ''فقہ اصطلاحی'' کی نفی ہے، نفس تفقہ مراد نہیں۔ اس طرح محدثین کے مقابل فقہاء اسلام سے معرفت حدیث کی نفی کا مطلب بھی اصطلاحی معرفت محدثین کی نفی ہے، نفسِ معرفت بالحدیث مراد نہیں۔

حضرات اہل حدیث (بہ اصطلاح جدید) کا یہ طرزِ صنیع عجیب ہے کہ فقہاء سے نفی معرفت بالحدیث کو وہ عمومی مراد لیتے ہیں، کہ انہیں معرفت تھی ہی نہیں۔ اور دوسری طرف محدثین سے فقاہت کی نفی عمومی مراد لے کر یہ شور کرتے ہیں کہ اس سے محدثین کی گستاخی کر دی گئی ہے، حالانکہ دونوں جگہوں پر اصطلاحی امر کی نفی مراد ہے۔

بعینہ یہ معاملہ ان صحابہ کرام کے بارے میں ہے کہ جن کے بارے میں بعض مفتیان تابعین نے کہا کہ ان میں فقاہت نہیں تھی، تو معاذ اللہ ان کے فہمِ عام کی نفی نہیں، بلکہ ان کے معاصرین فقہاء صحابہ کے مقابلے میں ان کی فقاہت کا انکار ہے۔

- مولانا راشدی مرحوم نے جس عبارت کا حوالہ دیا ہے اسی عبارت میں حاکم مرحوم نے فقہاء معروفین، آئمہ اربعہ کی تعریف جس لطیف پیرایہ میں کی ہے، راشدی صاحب اور ان کے محشی نے عمداً اس سے پہلو تہی کی ہے۔ حاکم کے الفاظ ہیں:

فأما فقهاء الإسلام أصحاب القياس والرأی والاستنباط والجدل والنظر فمعروفون فی كل عصر وأهل كل بلد، ونحن ذاكرون بحمد الله ومشيئته فی هذا الموضع فقه الحديث عن أهله؛ ليستدل بذلک على أن أهل هذه الصنعة من تبحر فيها لا يجهل فقه الحديث۔(معرفة علوم الحديث: ۲۴۶)

عبارت صریح ہے کہ فقہاء الرای کا ذکر ان کی شہرت واستفاضہ کی وجہ سے نہیں کیا، نہ یہ کہ ان کا کوئی مقام ومرتبہ ان کے خیال میں نہیں۔ ان فقہاء کو حاکم نے فقہاء الاسلام بھی قرار دیا۔ اسی ''معرفۃ علوم الحدیث'' میں حاکم مرحوم نے ایک نوع کے تحت محدثین کے فقہی مسلک بھی بیان کیے ہیں۔ چنانچہ وہ بتاتے ہیں کہ زمان گزشتہ کے محدثین مرجئہ، شیعہ، رافضی، سابی، بغضی، خارجی، اہل غلو، معروفین بالرجعۃ، قدری، حشوی، اور جہمی بھی تھے۔

اس باب کا عنوان ہے: ''معرفۃ مذاہب المحدثین'' (ص:۴۱)

دیکھئے، احباب گرامی کیا ارشاد فرماتے ہیں:

- فقہ اصطلاحی سے جب تک محدثین مستغنی رہے، تو ان کے اور فقہاء کے مابین کے تعلقات پر امام احمدؒ کا یہ مقولہ شاہد ہے: کہ دونوں طبقے ایک دوسرے پر لعنت کرتے تھے، یہاں تک کہ امام شافعیؒ آ گئے۔
(الرفع و التکمیل)
- فقہ الخاص وفقہ العام کے مابین فرق کے لیے امام بخاریؒ و دیگر محدثین کے تراجم وابواب پر نظر دوڑائی جاسکتی ہے۔ امام بخاریؒ کے تراجم میں علت ومعلول، مجاز وکنایہ، قیاس واستنباط، استخراج واستدلال کے ایسے نادر نمونے ہیں، جنہوں نے ''فقہ البخاری فی تراجمہ'' کو ایک محاورہ بنا ڈالا ہے۔ نیز امام بخاریؒ کے انہی تراجم کی بنیاد پر انہیں تفقہ میں امام احمدؒ پر بھی فوقیت دی گئی ہے۔ ''ہدی الساری'' میں ان اقوال کو ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔
- امام بخاریؒ کے ان تراجم میں موجود تفقہ وتدقق کی دیگر وجوہات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ان کا تعلق علماء کوفہ سے زیادہ رہا ہے۔ ان کا مقولہ ہے: ''**لا أحصى كم دخلت الكوفة** '' یعنی تحصیل علم کے لیے کتنی مرتبہ کوفہ گیا، شمار نہیں کرسکتا۔
- اگر فقہ الحدیث سے مراد صرف فقہ ظاہری بلا استخراج ہوتی، تو امت کے سب سے بڑے فقیہ حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ ہوتے، حالانکہ ان کا شمار مکثرین فی الفتوی تک میں نہیں۔ ابن القیم نے "إعلام الموقعین" میں جو فہرست دی ہے اس میں حضرت ابو ہریرہ کا نام نہیں لیتے۔ (۱۸/۲)

بلکہ علامہ ابن القیم مرحوم نے علماء امت کی تقسیم اس طرح کی:

كان العلماء من أمته منحصرين في قسمين: أحدهما: حفاظ الحديث جهابذته، والقادة الذين هم أئمة الأنام وزوامل الإسلام......القسم الثاني: فقهاء الإسلام، ومن دارت الفتيا على أقوالهم بين الأنام، الذين خصوا باستنباط الأحكام، وعنوا بضبط قواعد الحلال والحرام؛ فهم في الأرض بمنزلة النجوم في السماء.

(اعلام الموقعین:۱۳/۲،۱۴)

ظاہر ہے کہ یہ تقسیم، تقسیم عقلی کے ساتھ ساتھ تقسیم واقعی بھی ہے، ہر زمانے میں یہ مشاہد ومقبول ہے۔ ابن حجرؒ نے بھی محدثین وفقہاء کے وظائف کو مختلف قرار دیا ہے۔ (النکت :۲۸۸/۱)

امید ہے کہ قارئین کو فقہ العام وفقہ الخاص کے مابین فرق واضح ہوگیا ہوگا، نیز یہ بھی سامنے آ گیا

ہے کہ تفقہ سے استغنا باعثِ خوشی نہیں، اور یہ کہ فقہاءِ اسلام کے منصب کو نہ سمجھنا تعصب کی وجہ سے ہے۔**فإن الناس أعداء لما جهلوا.**

(2)- جہاں تک احادیث کو ترک کرنے کی بات ہے، تو اس سلسلے میں عرض یہ ہے کہ کسی روایت کو "خلاف اصول" قرار دینا فقہاء کی ایک علمی اصطلاح ہے، چنانچہ "**معجم لغة الفقهاء**" میں مرقوم ہے: "**المراد بالأصول: القرآن والسنة المتواترة المجمع عليها بالقبول، والسنة المشهورة المستفيضة المجمع على العمل بها.**" (ص:۷۲)

کبار اہلِ اسلام وآئمہِ اعلام کے ہاں اس اصطلاح کا استعمال ملتا ہے۔اگر ترک حدیث مع شرائط معتبرہ بھی قابل اعتراض ہے، تو اس جرم میں امت کے اکابر اصاغر شریک ہیں۔**وما أسوا هذا القول.**

ایک علمی اصطلاح کو عامی انداز سے سمجھنا نری حماقت ہے، اہل علم کے ہاں اس سے مراد متعلقہ باب میں آنے والی تمام روایات مرفوعہ، فتاویٰ، آثار صحابہ وتابعین، موافق ومخالف روایات وآثار کے ممکنہ استقصائی مطالعہ کے بعد جو اُصول ممہّد ہوتا ہے، وہ ہے۔ظاہر ہے کہ جب کوئی روایت متعلقہ باب کی اکثری روایات کے معارض ہوگی، تو قابل توقف ہوگی۔اسی کا نام شاذ، منقطع باطنی بھی رکھا جاتا ہے، عموماً یہ روایت خبر واحد ہوتی ہے۔

فتح الباری میں حافظؒ نے متعدد روایات پر نقلِ نقد میں یہ اصطلاح استعمال کی ہے، ایک جگہ لکھتے ہیں: "**وهذا تعسف، وإنما أقول: ليته صح فنتبعه ونقول به، إلا على أصل مالك، في أن خبر الواحد إذا جاء بخلاف القواعد لم يعمل به، فلما جاء الحديث الأول الموافق للقاعدة في رفع الإثم عملنا به، وأما الثاني فلا يوافقها فلم نعمل به.**"

(باب الصائم اذا اكل او شرب ناسيا)

- علماءِ اہل حدیث جن اہل علم کی خوشہ چینی کرتے ہیں، ان میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ سرفہرست ہیں۔علامہ موصوف نے ترک حدیث کے شرعی اعذار پر ایک گرانقدر رسالہ تحریر کیا ہے۔راشدی صاحب اور صلاح صاحب کا اس موقع پر اس سے پہلوتہی کرنا "**نوع من الخيانة**" ہے۔

علامہ موصوف نے اس میں ترک حدیث کے متعدد اعذار تحریر کیے ہیں۔اس سلسلے کی مفید عبارات ملاحظہ ہوں:

"**وليعلم أنه ليس أحد من الأئمة المقبولين عند الأمة قبولا عاما يتعمد لفة رسول الله صلى الله عليه وسلم في شيء من سنته، دقيق ولا جليل.**" (رفع الملام عن ائمۃ

الاعلام:۱۰)

”وفی کثیر من الأحادیث یجوز أن یکون للعالم حجة فی ترک العمل بالحدیث لم نطلع نحن علیها؛ فإن مدارک العلم واسعة، ولم نطلع نحن علی جمیع ما فی بواطن العلماء.“ (رفع الملام عن ائمۃ الاعلام:۵۵)

ان عبارات سے معلوم ہوا کہ فقہاءِ اسلام نبی ﷺ کی عمداً مخالفت نہیں کرتے۔ ترک حدیث کے اعذار پر ہمیں مکمل واقفیت بھی نہیں، کیونکہ ان اکابر کے مدارک علمی وسیع تھے۔

موجودہ اہل حدیث (بہ اصطلاح جدید) حضرات کی کتب (مثلاً: ”الطّوام المرعشة“ جو خود بدیع الدین راشدی صاحب کی ہے) کو ملاحظہ کریں، تو نظر آتا ہے کہ مقلدین عموماً اور حنفیہ خصوصاً ترکِ حدیث، ترکِ اطاعتِ رسول کے عظیم گناہ کے مرتکب ہیں، چنانچہ اس سلسلے میں بنی اسرائیل کے علماء سوء، قریش مکہ کی تقلید آباء پر مشتمل آیات کا مصداق اس زمانے میں حنفیہ قرار پاتے ہیں، لیکن اس کے برعکس شیخ الاسلام ابن تیمیہ کا موقف اس رسالہ کے مطابق درج ذیل ہے:

وہ فرماتے ہیں کہ: ”کسی امام کے بارے میں یہ اعتقاد جائز نہیں، کہ انہوں نے حلال کو حرام اور حرام کو حلال قرار دیا ہے، نہ ان پر اس سلسلے کی وعیدیں لاحق ہوتی ہیں۔“ اور فرماتے ہیں کہ: ”اس طرح کی رائے صرف ابن تیمیہ کی نہیں، بلکہ سلف صالحین کی رائے ہے، اور اس کی مخالفت اہل بدعت کرتے ہیں۔“ لکھتے ہیں: ”**وهذا مما لا نعلم بین الأمة فیه خلافا، إلا شیئا یحکی عن بعض معتزلة بغداد، مثل بشر المریسی وأضرابه.**“ (رفع الملام عن ائمۃ الاعلام:۵۷، ۵۸) اہل حدیث (بہ اصطلاح جدید) حضرات غور کریں کہ وہ بشر مریسی کی راہ پر گامزن ہیں یا پھر محدثین کی۔

(3)- جہاں تک حدیثِ مصرّاۃ کو ترک کرنے کی بحث ہے، اس سلسلے میں راشدی صاحب نے جو واقعہ نقل کیا، محشی نے اسے مکھی پر مکھی مارتے ہوئے جوں کا توں نقل کر کے اپنی خیانت کا واضح ثبوت دیا ہے۔ اور یہ اعتراض ان حضراتِ اہل حدیث (بہ اصطلاح جدید) کے ہاں نقل مسلسل سے متصف ہے۔

اس واقعے کے اصل مصادر سامنے رکھنے سے ان ناقلین کا تعصب وتشدد اور خیانت واضح ہوتی ہے۔ دونوں حضرات ماتن ومحشی نے یہ سخاوی سے نقل کیا ہے، سخاوی کی عبارت ملاحظہ ہو۔

”.... فجاء شابّ خراسانی حنفی، فطالب بالدلیل فی مسئلة المصرّاة، فأورده المدرس عن أبی هریرة رضی الله عنه، فقال الشاب: إنه غیر مقبول الروایة، قال القاضی: فما استتم کلامه حتی سقطت علیه حیة عظیمة من سقف الجامع، فهرب منها،

فتبعته دون غيره، فقيل له: تب، فقال: تبت، فغابت، ولم ير لها أثر بعد. (الاعلان بالتوبيخ لمن ذم التواريخ:۱۰۲،۱۰۳)

اس عبارت سے درج ذیل امور اظہر من الشمس ہیں:

- یہ شخص ایک عامی طالب علم تھا۔ قابل ذکر عالم نہ تھا، حتیٰ کہ مجہول الاسم رہا۔
- عقوبت کی بنیاد حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی گستاخی تھی، ترک روایت نہیں۔
- یہ شخص رافضیت مائل تھا، کہ صحابہ کے بارے میں ایسے تاثرات دیے۔

عامی قسم کے طلبہ کے نامناسب رویوں کی بنیاد پر اکابر، اساتذہ اہل علم پر نقد کرنا نامناسب طریقہ اورناشائستہ فعل ہے۔ خود طلبہِ حدیث کے اس طرح کے اقوال وآثار کتب میں مرقوم ہیں۔ بلکہ اگر یہ مقولہ کسی قابل ذکر شخص کا بھی ہوتا، تو توبہ کے بعد اس پر طنز وتعریض درست نہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ متعدد کبار اہلِ علم کے ہفوات پر محققین چشم پوشی سے کام لیتے ہیں، نہ کہ الزام تراشیاں۔

حنفیہ کی بعض کتب میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی فقاہت کے بارے میں تحریر ہے، کہ وہ غیر فقیہ صحابی تھے۔ معاذ اللہ اس سے مراد نفس فقاہت کی نفی نہیں، بلکہ فقہ استخراجی واصطلاحی ہے۔ اور اہل تحقیق وانصاف کے ہاں یہ قابلِ گرفت امر نہیں۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ عبارتِ بالاخلافِ ادب ہے۔ لیکن اس کی بنیاد پر قائل کے بارے میں افراط وتفریط سے کام لینا خلاف عقل ونقل ہے۔

شعبہ مشہور محدث ہیں، وہ کہتے ہیں: **كان أبو هريرة رضى الله عنه ربما دلّس.** (النکت :۲/۱۰۴) کیا اہل حدیث حضرات نے شعبہ پر اور پھر ان کے نام لیوا محدثین پر نقد شنیع سے کام لیا ہے؟ کہ وہ اُسی صحابی کے بارے میں تدلیس کا قول اختیار کررہے ہیں، جن کے بارے میں بعض حنفیہ نے غیر فقیہ کہا؟ اور کیا تدلیس کی شناعت کے بارے میں وارد اقوالِ شعبہ یہاں لاکر کہا جاسکتا ہے کہ شعبہ کا نظریہ حضرت ابو ہریرہ کے بارے میں یہ ہے؟ معاذ اللہ ایسی جسارت کا ارتکاب کوئی سفیہ وسیء الفہم کرسکتا ہے۔

ابن حجرؒ نے شعبہ کے اس قول پر جس شائستگی سے رد کیا، وہی طریقہ غیر فقیہ کی عبارت پر اختیار کرنا بہترین رویہ ہے۔ حافظ موصوف لکھتے ہیں: **والصواب ما عليه الجمهور من الأدب فى عدم إطلاق ذلك.** (ایضاً)

فوائد:

(1)۔ اہل حدیث حضرات کے آئمہ اربعہ کے متبعین پر ترکِ حدیث کے اعتراضات کی بنیاد، مشہور کتبِ حدیث کی روایات ہیں، کہ وہ احادیث مذاہب اربعہ کے خلاف ہیں۔ اور یہ بناء الفاسد علی الفاسد

کے قبیل سے ہے، اس لیے کہ آئمہ اربعہ کے مذاہب کی تدوین، ان کتب کی تدوین سے قبل ہو چکی تھی۔ان مذاہب ومسالک کی بنیاد آئمہ اربعہ کی مرویات وتشریحات پر ہے، اسی وجہ سے محققین ان آئمہ پر مخالفت حدیث کا الزام لگانے کی جسارت نہیں کرتے۔ان مخالف روایات کے محامل آئمہ کی کتب میں مرقوم ہیں۔ ایسی روایات شاذ ونادر ہیں، جوان اکابر کے حیطۂ علم میں نہ تھیں۔ابن حجرؒ نے "**تعجیل المنفعة**" میں اس کی تصریح کی ہے، کہ مالکیہ کے مذہب کی بنیاد مؤطا نہیں، بلکہ ابن القاسم کی روایات پر ہے۔ان کے الفاظ ہیں: "**بل اعتمادهم في الأحكام والفتوى على ما رواه أبن القاسم عن مالك سواء وافق ما في الموطأ أم لا**". (۲۳۸/۱) ظاہر ہے کہ یہ صرف مالکیہ کے ہاں نہیں، دیگر مذاہب کے ہاں بھی یہ طریقہ کار رہے۔

(2)-اسلاف کی کتب میں خبر واحد کے بارے میں دو طرح کے اقوال ہیں: مفید للعلم، مفید للظن۔جبکہ متواتر کے بارے میں صرف مفید للعلم ہے۔اب اگر العلم سے مراد دونوں مواقع پر ایک ہی لیا جائے، تو پھر خبرِ واحد اور خبرِ متواتر کی تقسیم کا کوئی فائدہ نہیں، اور یہ خلاف عقل ونقلِ آئمہ ہے۔

چنانچہ اس سلسلے میں اہل علم تصریح کرتے ہیں کہ "علم" کا اطلاق ظن پر ہوسکتا ہے، ظن کو علم کا نام دیا جاسکتا ہے۔اس طرح خبرِ واحد مفید للظن اور متواتر مفید للعلم الاصطلاحی کے لیے مفید ہوگا، اور عبارات کا تناقض ختم ہوجائے گا۔

اس سلسلہ میں ایک تشریح یہ بھی سمجھ آتی ہے، کہ خبرِ واحد محدثین کی اصطلاح کے مطابق خبرِ مشہور کو بھی شامل ہے، جبکہ فقہاء کے ہاں خبرِ مشہور، خبرِ واحد کی قسیم ہے، اس کا حصہ نہیں۔چنانچہ کہا جاسکتا ہے کہ جن عبارات میں خبر واحد کا مفید للعلم ہونے کا قول اختیار کیا گیا ہے، وہاں خبر واحد کا وہ حصہ مراد ہے جو اخبار مشہورہ پر مشتمل ہے اور باقی حصہ کے لیے مفید للظن ہونے کا قول اختیار کیا جائے گا۔

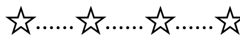
ایک تشریح یہ بھی ممکن ہے کہ اخبار متواترہ مفید للعلم القطعی، اخبار مشہورہ مفید للعلم الظنی اور اخبار آحاد مفید للظن ہیں۔واللہ اعلم.

(3)-ترک حدیث کی بحث کے لیے اہل علم وشائقین درج ذیل مصادر ملاحظہ کریں:

- "**علل الأصوليين في رد متن الحديث والاعتذار عن العمل به**" بلال فیصل البحر البغدادی
- "**اختلاف المحدثين والفقهاء في الحكم على الحديث**" عبداللہ شعبان علی
- **معنى قول الإمام المطلى " إذا صح الحديث فهو مذهبي" للإمام السبكي الكبير**

- ''مقام ابی حنیفہ'' امام اہل سنت مولانا محمد سرفراز خان صفدرؒ
- ''كتاب الإنتهاء لمعرفة الأحاديث التى لم يفت بها الفقهاء'' عبدالسلام محمد عمر

(4)-مولانا بدیع راشدی نے مولانا ظفر احمد عثمانیؒ کے پیش کردہ حوالہ جات سے کوئی تعرض نہیں کیا، اور نہ فاضل محشی نے نہ ان کے جواب کے لیے کوئی سطر لکھی۔ البتہ جا بجا راشدی صاحب نے ''نوا ٹیٹ'' دیے ہیں، اور ہر دوسرے صفحے پر لکھا کہ یہ حنفیوں کی باتیں ہیں، محدثین کے یہ اصول نہیں۔ راشدی صاحب نے متعدد مقامات پر مولانا عثمانیؒ کا نقطہ نظر نہیں سمجھا، اور نہ ان کے مدعا پر توجہ دی، بلکہ عبارت کے کسی لفظ پر انہوں نے حاشیہ آرائی کر کے بزعم خود ''نقض'' پیش کر دیا ہے۔ اس لیے ایک صاحب بصیرت ناقد نے ''نقض قواعد فی علوم الحدیث'' پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا کہ اس کا نام ''ملاحظات'' یا ''مأخذ علی کتاب قواعد فی علوم الحدیث'' بہتر ہے۔ اس طرح انہوں نے لکھا کہ ''قواعد فی علوم الحدیث'' کے بارے میں یہ خیال درست نہیں کہ یہ محدثین کے خلاف ہے، بلکہ اس میں بہت سے قواعد محدثین سے منقول ہیں۔



وفیات

قارئین سے مرحومین کی مغفرت اور بلندئ درجات کے لیے دعا کی درخواست ہے۔

- شیخ الحدیث مولانا حبیب الرحمٰن سومرو کے مدرسہ کے دربان رحمہ اللہ [۷ر مارچ ۲۳ء]
- شیخ الحدیث مولانا مفتی عطاء الرحمٰن کی بہو، مولانا محمود تمیمی کی اہلیہ رحمہا اللہ [۸ر مارچ ۲۳ء]
- دارالعلوم مدنیہ بہاول پور کے استاذ ماسٹر محمد سلیم صاحب کی خالہ محترمہ رحمہا اللہ [۱۷ر مارچ ۲۳]
- عالمی مجلس ختم نبوت لاہور کے سرپرست مولانا قاری جمیل الرحمٰن اختر رحمہ اللہ [۱۷ر مارچ]
- جامعہ مظہریہ حسینیہ جہان سومرو کے طالب علم محمد ایوب و محمد ابوبکر کے دادا رحمہ اللہ
- حافظ عبدالشکور لاشاری سندھ کی بھانجی علی حسن کی بیٹی رحمہا اللہ
- شیخ الحدیث مولانا صوفی محمد سرور رحمہ اللہ کی ہمشیرہ رحمہا اللہ [۲۷ر مارچ ۲۳ء]
- جامعہ اشرفیہ لاہور کے مفتی مولانا مفتی غلام مصطفیٰ رحمہ اللہ [۳ر اپریل ۲۳ء]
- مولانا سید جاوید حسین شاہ کے برادرِ کبیر سید مسعود الحسن شاہ رحمہ اللہ [۳ر اپریل ۲۳ء]
- جامع مسجد برکت علی اچھرہ کے نمازی عبداللطیف صاحب کا پوتا رحمہ اللہ
- حافظ ابوبکر روشی [اچھرہ، لاہور] کے چچا محترم رحمہ اللہ

مولانا خیرالامین قاسمی، مردان

عقائد اور علم کلام کی کتب سے استفادہ کیسے کیا جائے؟

ہمارے ہاں ایک کمزوری یہ ہے کہ درس نظامی کے مروجہ نصاب میں عقائد کی صرف دو کتابیں شامل ہیں:[۱]-عقیدۃ طحاویہ [۲]-اور شرح العقائد۔ بدقسمتی سے عقیدۃ طحاویہ تو اکثر ضمناً پڑھائی جاتی ہے۔اور شرح العقائد کے متعلق یہ ذہن بنایا جاتا ہے کہ تفتازانی خود ضال مضل ہے اور اس کو ہم صرف تنشیط اذہان کے لیے پڑھاتے ہیں، معاذ اللہ!!۔اس جیسے ذہنوں کا ہی یہ نتیجہ ہے کہ ہمارے طلبہ عقائد سے بے خبر ہوتے ہیں۔ حالانکہ یہ وہ علم ہے جس کے ذریعے ہمارے اسلاف نے کفر پر زبردست وار کیا تھا اور اسلام کے قلعہ کا دفاع کیا تھا۔اور یہ یقینی بات ہے کہ اگر اس علم میں مہارت حاصل ہو جائے تو ان شاءاللہ ہم عالم کفر وعالم الحاد کو شکست فاش دیتے رہیں گے۔ اس عالمی فکر کے لیے ہمارے استاذی المکرّم شیخ سجاد الحجابی صاحب حفظہ اللہ ملک کے مختلف مدارس میں علم کلام کے محاضرات پڑھاتے ہیں اور ایک فضاء الحمدللہ بن رہی ہے۔ اُنہوں نے اِس مرتبہ بھی مردان میں دس دن کا دورہ پڑھایا۔اس دورے کے اندر ''مسئلہ صفات واستوی'' کے علاوہ ''منہج ماتریدی واشعری میں کس طرح استفادہ کیا جائے؟'' کے عنوان پر بھی گفتگو ہوئی۔ جس میں منہج ماتریدی واشعری میں سے ہر ایک کے لیے تین مراحل پر مشتمل ایک نصاب مقرر کیا گیا ہے۔اور پھر ہر منہج فکر کی کتب کلامیہ کا تعارف کرایا گیا۔ وہی تفصیل معمولی تقدیم و تغییر کے ساتھ اردو زبان میں ''صفدر'' کے قارئین کے لیے پیش خدمت کر رہا ہوں۔ملاحظہ فرمائیں!

اشاعرہ اور ماتریدیہ میں سے ہر منہج فکر کی طرف سے عقائد کے باب میں جو معتمد متون اور کتب لکھی گئی ہیں، علماء نے ان میں چھان بین کر کے ایک خاص منہج تیار کیا ہے جو علم کلام کے میدان میں قدم رکھنے والے ایک مبتدی کے لیے اول سے آخر تک معین ومد ثابت ہو سکتا ہے۔ہر ایک کا منہج تین مراحل پر منقسم ہے۔

ماتریدیہ کے نزدیک معتمد کتب:

پہلا مرحلہ:اس مرحلے میں امام طحاویؒ کی **العقيدة الطحاويه** اور ساتھ **عبدالغنى الغنيمى** کی شرح یا بابرتی یا ترکستانی کی شرح بالاستیعاب پڑھی جائے۔

دوسرا مرحلہ: اس مرحلے میں عمر نسفیؒ کی **العقائد النسفیہ** استاد سے پڑھی جائے، جس میں صرف عبارت اور اس کی تفسیر پر اکتفاء کیا جائے، اس کے ساتھ اگر ممکن ہو تو اس کی بعض شروح بھی زیر نظر رکھی جائیں، مثال کے طور پر عبدالملک سعدی کی شرح اور اسعد الصاغرجی کی شرح لیکن اس میں اختلاف فرق اور ردود کی طرف التفات نہ کیا جائے۔

تیسرا مرحلہ: اس مرحلے میں طالب علم علامہ تفتازانی کی شرح العقائد بالاستیعاب پڑھے۔ اور اس کے ساتھ ساتھ اگر اس کے بعض حواشی بھی زیر مطالعہ رہے تو فائدے سے خالی نہ ہوگا۔

ان تین مراحل کے بعد طالب علم اس قابل ہو جائے گا کہ وہ علم کلام کے مطولات پڑھ سکے۔

اب مذہب سادۃ ماتریدیہ کے چند کتب عقائد کے نام ملاحظہ کریں اور اس میں اگر تمام نہ ہو تو اکثر کو اپنے کتب خانہ کی زینت ضرور بنائیں اور مطالعہ کرتے رہیں۔

1)_ الفقہ الاکبر۔ للامام الاعظم ابی حنیفہ م 150

2)_ کتاب التوحید و کتاب الاصول للامام ابی منصور الماتریدی م 333ھ

3)_ العقیدۃ الطحاویہ لابی جعفر الطحاوی م 312ھ

4)_ الدرۃ الشامیہ الجامعۃ لاھم شروح العقیدۃ الطحاویہ۔ یہ دو جلدوں میں شام سے چھپ چکی ہے اور بیک وقت اس میں عقیدۃ طحاویہ کی پانچ معتبر شروحات اکٹھی شائع ہو چکی ہیں۔

5)_ شرح سراج الدین الغزنوی م 772ھ

6)_ شرح ھبۃ اللہ الترکستانی الماتریدی م 733ھ

7)_ القلائد فی شرح العقاید لجمال الدین محمود بن احمد القونوی م 771ھ

8)_ شرح اکمل الدین البابرتی الماتریدی م 786ھ

9)_ شرح ابی بکر الغزی الماتریدی م 881

10)_ شرح عبدالغنی المیدانی م 1298ھ

11)_ شرح عبدالرحیم الاماسی الماتریدی 944ھ

12)_ شرح القاری طیب الدیوبندیؒ

13)_ اظہار العقیدۃ السنیۃ بشرح العقیدۃ الطحاویہ للشیخ عبداللہ الہرری م 1429ھ

14)_ الشرح الکبیر للشیخ سعید فودہ حفظہ اللہ۔

15)_ العصیدۃ السماویہ لشیخ مفتی رضاء الحق صاحب حفظہ اللہ۔

نوٹ: عقیدۃ طحاویہ کی ایک شرح شرح العقیدۃ الطحاویہ لابی العز الحنفی کا ہے جس میں اہل سنت سے ہٹ کر تشریحات کی گئی ہیں۔ان سے احتراز کرنا چاہیے۔اور اس پر ہمارے استاذ المکرّم الشیخ المتکلم النظار الحجۃ شیخ سجاد الحجابی صاحب حفظہ اللہ کا مستقل رسالہ بنام ''شرح العقیدۃ الطحاویہ لابن ابی العز پر ایک تحقیقی نظر'' سے چھپ چکا ہے،اس کی طرف مراجعت کریں۔

نوٹ: تقریبا 3 رکے بعد 15 رتک تمام عقیدۃ طحاویہ پر لکھی گئی شروحات ہیں جن میں ماتریدیہ کے نہج پر تفصیلات وتشریحات موجود ہیں۔

16)_اصول الدین لابی الیسر البز دوی م 493ھ

17)_تبصرۃ الادلۃ فی اصول الدین للامام ابی المعین النسفی م 508ھ

18)_الکفایۃ من الھدایہ والبدایۃ فی اصول الدین۔لنور الدین الصابونی م 580ھ

19)_متن العقاید النسفیۃ۔لنجم الدین النسفی م 537ھ

20)_اصول الدین لجمال الدین الغزنوی 593ھ

21)_شرح المقاصد فی علم الکلام لسعد الدین التفتازانی م 592ھ

22)_شرح المواقف لسید شریف جرجانی۔

23)_المسایرہ فی العقاید المنجیۃ فی الآخرۃ للکمال بن الہمام م 861ھ

24)_اشارات المرام من عبارات الامام۔لکمال الدین البیاضی م 1098ھ

25)_بدء الامالی۔لسراج الدین الاوشی الفرغانی م 569ھ

یہ منظومہ 166 راشعار پر مشتمل ہے۔اس کی مشہور شروحات میں سے ''ضوء المعالی شرح بدء الامالی'' ملاعلی قاریؒ کی ہے۔اس کے علاوہ محمد احمد کنعان کی " جامع اللآلی "اور شارح کنز محمد بن سلیمان الحلبی کی نخبۃ اللآلی بھی اس کی اہم شروحات میں شمار ہوتی ہے۔

اس کے علاوہ ماتریدی نہج پر ہمارے اکابر دیوبند مثلاً حجۃ الاسلام قاسم العلوم والخیرات حضرت محمد قاسم نانوتویؒ،حضرت حکیم الامت حضرت تھانویؒ،حکیم الاسلام قاری محمد طیبؒ،شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ کی **الجھد المقل** اور امام کوثری کے مقدمات ومقالات۔یہ سب کتابیں ماتریدی نہج پر موجود ہیں۔

کوئی فاضل یا متعلم ماتریدی کلام میں تخصص کرنا چاہتے ہیں تو ان کتب کے مطالعہ کو فرض عین کے درجے میں لازم پکڑیں۔

اس کے علاوہ اشعری منہج اور اس کے کتب کا ذیل میں تذکرہ کیا جاتا ہے۔

اشاعرہ کے نزدیک معتمد کتب:

پہلا مرحلہ: اس مرحلے میں طالب علم مشہور منظوم **"الخريدة البهيه"** یا ’’**ام البراهين**‘‘ کا متن یا **منظومة العقايد الشرنوبية** اور اس پر امام مارغینی کی شرح **"الشذرات الذهبيه"** ساتھ پڑھ لیں۔

دوسرا مرحلہ: اس مرحلہ میں اشاعرہ کا مشہور منظوم "جوہرۃ التوحید" اور اس پر علامہ صاوی یا مارغینی کی شرح پڑھ لی جائے، اور ساتھ باجوری کا حاشیہ بھی ملحوظ نظر ہو۔ اس کے بعد "السنوسیۃ الکبری" اور اس پر امام سنوسی کی شرح پڑھ لی جائے، بعدازاں امام غزالیؒ کی "الاقتصاد فی الاعتقاد" اور امام رازیؒ کی "المعالم فی اصول الدین" پڑھی جائے۔

تیسرا مرحلہ: اس مرحلے میں طالب علم علامہ تفتازانی کی "شرح العقائد" پڑھے۔ یہ شرح چونکہ دونوں منہج فکر کے نزدیک معتمد ہے، اس لیے یہ دونوں کے ہاں قابل اعتناء ہے۔

اس کے بعد مسلک اشاعرہ میں مزید تبحر کے لیے درجہ ذیل کتب رکھیں اور مطالعہ کو حرزِ جان بنائیں۔

کتب اشاعرہ:

1)_ مقالات الاسلامیین، رسالۃ الی اھل الثغر، اللمع فی الرد علی اھل الزیغ والبدع۔ رسالۃ استحسان الخوض فی علم الکلام۔ للامام المذھب ابی الحسن الاشعری۔ م 324ھ

2)_ مجرد مقالات الشیخ ابی الحسن الاشعری، لابی بکر محمد بن الحسن بن فورک الشافعی م 406ھ

3)_ الانصاف فیما یجب اعتقادہ ولا یجوز الجھل، وتمھید الاوایل وتلخیص الدلایل۔ امام ابوبکر الباقلانی م 403ھ

4)_ اصول الدین وتفسیر الاسماء والصفات، کتاب الفرق بین الفرق۔ عبدالقاہر البغدادی م 429ھ

5)_ الاسماء والصفات، والاعتقاد والھدایہ الی سبیل الرشاد۔ حافظ ابوبکر البیہقی م 458ھ

6)_ التبصیر فی الدین۔ تمیز الفرقۃ الناجیۃ عن الفرق الھالکین۔ ابومظفر الاسفرایینی۔ م 471ھ۔

7)_ الاشارۃ الی مذھب اھل الحق۔ شیخ الشافعیہ ابواسحاق شیرازی م 476

8)_ لمع الادلۃ فی قواعد اھل السنۃ الجماعۃ۔ ابوالمعالی الجوینی الشافعی م 478ھ

9)_ الاقتصاد فی الاعتقاد۔

10)_ الجام العوام عن علم الکلام۔ امام غزالی م 505ھ

11)_ نہایۃ الاقدام فی علم الکلام ابوالفتح الشہرستانی۔ م 548ھ

12)_ دفع شبہ التشبیہ باکف التنزیہ۔ ابوالفرج ابن الجوزی م 597ھ۔

(محاضرات فی العقیدۃ وعلم الکلام: 285/292)

مولانا مجیب الرحمٰن، ڈیرہ اسماعیل خان قسط: ۹

غامدی صاحب کے مزعومہ اجتہادات پر ایک نظر

قتل کی دیت کی مقدار:

تمام فقہاء کرام رحمہم اللہ نے دیت کے معاملہ میں نبی کریم ﷺ اور خلفاء راشدین کے فیصلے کو لیا کہ انسانی جان کی دیت سو اونٹ ہے، اس مسئلہ میں بھی غامدی کے نزدیک کُل امت کے فقہاء سے غلطی ہوگئی ہے، لکھتے ہیں:

''نساء اور بقرہ کی اِن آیات [**ومن قتل مؤمناً خطأً فتحریر رقبة مؤمنة و دية مسلّمة الى اهله، نساء ۹۲، فمن عفى له من اخيه شيء فاتباع بالمعروف بقرة ۱۷۸**] سے واضح ہے کہ قتل خطا اور قتل عمد دونوں میں قرآن کا حکم یہی ہے کہ دیت معاشرے کے دستور اور رواج کے مطابق ادا کی جائے، نبی ﷺ نے اپنے زمانے میں اسے ہی نافذ کیا، روایات میں اس کے بارے میں جو کچھ بیان ہوا ہے وہ عرب کے دستور کی وضاحت ہے، اس میں کوئی چیز بھی خود پیغمبر کا فرمان واجب الاذعان نہیں ہے۔''

عرب کے دستور میں اول دس اونٹ دیت مقرر ہونا پھر جناب عبدالمطلب کا اپنے بیٹے جناب عبداللہ کے فدیہ میں سو اونٹ ذبح کرنا، اور پھر قریش میں سو اونٹ کی دیت دستور بن جانا ذکر کر کے غامدی صاحب لکھتے ہیں:

''عرب کا یہی دستور ہے جسے رسول اللہ ﷺ نے قرآن مجید کے ارشاد کے مطابق جیسا کہ ہم نے اوپر بیان کیا ہے، اپنے زمانے میں نافذ کیا، چنانچہ اس باب کی بعض روایات میں یہ بات بالصراحت بیان ہوئی ہے کہ حضور ﷺ نے دیت کے معاملات اُسی طرح برقرار رکھے، جس طرح آپ کی بعثت سے پہلے جزیرہ نمائے عرب میں رائج تھے، ابن عباس کی جو روایت دیت کی مقدار کی تبدیلی کے بارے میں ہم نے اوپر نقل کی ہے، اُس میں وہ فرماتے ہیں:

فجرت فى قريش والعرب مائة من الابل واقرها رسولُ الله ﷺ على ما كانت عليه (الطبقات الكبرى ۱/ ۸۹) قریش اور عرب کے دوسرے لوگوں میں دیت کی مقدار یہی سو اونٹ رائج ہوگئی، اور رسول اللہ ﷺ نے بھی حسبِ سابق اُسے ہی برقرار رکھا۔

مزید لکھتے ہیں:

یمن کے علاقے میں البتہ دستور یہی تھا کہ قتل اور جراحت کی مختلف صورتوں میں دیت کی مقدار حکمران مقرر کرے گا، چنانچہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں یہ علاقہ جب اسلامی ریاست میں شامل ہوا تو آپ ﷺ نے اس کے سرداروں کے نام ایک مکتوب میں دیت کی وہی مقداریں اُن کے لئے بھی مقرر کردیں جو آپ کے اپنے علاقے میں رائج تھیں،۔۔۔اہل یمن کے نام رسولُ اللہ ﷺ کا مکتوب درج ذیل ہے۔

ان من اعتبط مؤمناقتلاً عن بینة فانه قود،الاان یرضی اولیاء المقتول ،وان فی النفس الدیة مائة من الابل ... جس نے کسی مسلمان کا ناحق مار ڈالا اور اُس کا جرم ثابت ہوگیا تو اس کا بدلہ لیا جائے گا، الا یہ کہ مقتول کے اولیا دیت پر راضی ہوجائیں، اس صورت میں جان کی دیت سو اونٹ ہوگی۔

سورہ بقرہ کی آیت سے مغالطہ:

مزید لکھتے ہیں:

’’اس بحث سے یہ حقیقت پوری طرح مبرہن ہوجاتی ہے کہ اسلام نے دیت کی کسی خاص مقدار کا ہمیشہ کے لئے تعین کیا ہے، نہ عورت اور مرد، غلام اور آزاد، اور کافر اور مؤمن کی دیتوں میں کسی فرق کی پابندی ہمارے لئے لازم ٹھہرائی ہے ،دیت کا قانون اسلام سے پہلے عرب میں رائج تھا،قرآن مجید نے قتل خطا اور قتل عمد دونوں میں اُسی کے مطابق دیت ادا کرنے کا حکم دیا ہے،قرآن کے اس حکم کی رو سے اب دیت ہر دور اور ہر معاشرے کے لئے اسلام کا واجب الاطاعت قانون ہے،لیکن اس کی مقدار،نوعیت اور دوسرے تمام امور میں قرآن حکیم کا حکم یہی ہے کہ معروف یعنی معاشرے کے دستور اور رواج کی پیروی کی جائے، نبی ﷺ اور خلفاء راشدین نے دیت کے فیصلے اپنے زمانے میں عرب کے دستور کے مطابق کئے،فقہ وحدیث کی کتابوں میں دیت کی جو مقداریں بیان ہوئی ہیں وہ اسی دستور کے مطابق ہیں الخ۔(برہان صفحہ ۱۱۱،تا۱۸)

غامدی صاحب کی اس طویل تحریر کا حاصل یہ ہے کہ حضور ﷺ نے اُس وقت کے دستور کے مطابق مقتول جان کی دیت سو اونٹ ،عورت کی دیت اُس سے آدھی ٹھہرائی، یہ اللہ تعالی کی طرف سے مقرر مقدار نہیں تھی، اُس وقت کے عرف ودستور کے مطابق تھی،اور جس زمانے میں جو دستور رواج پکڑ لے اُس زمانے میں وہی دیت کی مقدار ہوگی،آج کے دور میں بھی لوگوں کو (حکمرانوں کو) اختیار حاصل ہے کہ دیت کی جو مقدار چاہیں مقرر کردیں،یہی قرآن کریم کے حکم پر عمل ہوگا۔

غامدی صاحب کی اِس تقریر میں کئی باتیں قابل غور ہیں:

اول: یہ بات تو درست ہے کہ زمانہ جاہلیت میں مختلف طرح سے دیت رائج تھی، سوال یہ ہے کہ جب آپ ﷺ نے سواونٹ والی دیت کو برقرار رکھا تو آپ ﷺ کے برقرار رکھنے سے کیا وہ شرعی مقدار نہیں بن گئی؟ اگر شرعی مقدار بنی تو اب مسلمان قوم پر اُسی شرعی دیت کی اتباع لازم ہے، اور اگر وہ شرعی مقدار نہیں ہے تو شرعی نہ ہونے کی وجہ کیا ہے؟ جب کہ آنجناب پر سوال ہوا کہ آپ لوگ رمی جمرات کو سنّت مانتے ہیں، تو آپ کے بقول قریش نے اصحاب فیل پر سنگ باری کی تھی، تو قریش کفار کا عمل سنّت کیسے ٹھہرا؟ تو آنجناب جواب میں کہتے ہیں:

’’سنت صرف اُس طریقے کو نہیں کہتے جس کی ابتداء کوئی نبی کرے، بلکہ نبی کی تصویب وتقریر کے نتیجے میں بھی سنّت قائم ہوتی ہے، اور اسلام نے اس طرح کے دوسرے طریقوں کو بھی اِسی حیثیت سے باقی رکھا ہے۔‘‘ (برہان صفحہ ۳۲۹)

تو بقول آپ کے جب قریش ایک عمل کریں اور نبی اُس کو برقرار رکھے تو سنّت بن جاتی ہے (اور سنت دین ہے) تو جناب عبدالمطلب ایک کام شروع کرے اور قریش اُسی کو اختیار کرلیں، اور نبی کریم ﷺ اُس کو برقرار رکھیں تو وہ سنّت اور دین کیوں نہیں بنتا؟ اور اگر آپ کی رائے میں یہ حضور ﷺ کی تصویب وتقریر نہیں ہے، تو کیوں نہیں ہے؟

ثانی: نبی کریم ﷺ نے اگرچہ عرب سرزمین میں سکونت اختیار فرمائی، لیکن ظاہر ہے کہ آپ ﷺ صرف عرب کے لئے نبی نہیں تھے، عرب وعجم سب کے لئے نبی تھے، تو آپ ﷺ کی کُل امت آپ کی قوم کے بمنزلہ ہے، جو ہدایت آپ ﷺ نے عرب کو دی وہی ہدایت عجم کے لئے بھی ہے، اگر عرب کے لئے دیت سواونٹ ہیں تو عجم کے لئے بھی یہی دیت ہے، ورنہ آپ کہیں کہ آپ عجم کے لئے نبی نہیں تھے، صرف عرب کے لئے تھے، جیسے یہود کہتے تھے کہ نبی کریم ﷺ امیین کے لئے نبی ہیں، ہمارے لئے نبی نہیں ہیں؟

قرآن کریم نے جو ’’**معروف**‘‘ فرمایا اگر واقعی اُس کا معنی دستور ورواج والا درست ہو تو جو دستور نبی کریم ﷺ نے مقرر فرمایا تصویب وتقریر کے ذریعے ہی سہی اب وہی کُل امت کے لئے دستور ورواج ٹھہرے گا، نہ کہ علاقے علاقے کا رواج مراد ہے،

ثالث: آپ نے خود لکھا ہے کہ دیت کی مقدار میں یمن کا اپنا دستور تھا، اور جب یمن کا علاقہ اسلامی حکومت کے تحت آیا، آپ ﷺ نے یمن والوں کو بھی عرب کے دستور کے مطابق سواونٹ دیت کی مقدار بتائی، تو اِسے معلوم ہوا کہ قرآن مجید میں معروف سے ہر علاقے کا دستور مراد نہیں ہے، بلکہ وہی جو رسول اللہ ﷺ نے مقرر فرمایا ہے وہ مراد ہے، ورنہ اگر معروف سے ہر علاقے کا دستور مراد ہوتا (جیسا جناب کا

دعوی بلا دلیل ہے) تو آپ ﷺ یمن والوں کو اُن کے دستور پر چھوڑتے ،اور عرب کے دستور کا پابند نہ کرتے ۔

یہ تقریر تو ہم نے ''معروف'' سے غامدی صاحب کی مراد کو ایک لمحہ کے لئے تسلیم کر کے کر دی ہے، ورنہ حقیقت یہ ہے کہ غامدی صاحب نے ''معروف'' سے غلط مفہوم لیا ہے (یہی اُن کے استاذ اصلاحی صاحب کا خیال ہے) ''معروف سے'' مراد دستور ورواج نہیں ہے، بلکہ ''معروف'' سے مراد بہتر طریقے سے دیت کی وصولی ہے، اور یہ وصول کرنے والے کو حکم ہوا، آیت اور اس کا ترجمہ بمع حضرت تھانوی رحمہ اللہ کی وضاحت کے اس طرح ہے:

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُتِبَ عَلَیْکُمُ الْقِصَاصُ فِی الْقَتْلٰی ،اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَ الْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْاُنْثٰی بِالْاُنْثٰی ،فَمَنْ عُفِیَ لَهٗ مِنْ اَخِیْهِ شَیْءٌ فَاتِّبَاعٌ بِالْمَعْرُوْفِ وَاَدَاءٌ اِلَیْهِ بِاِحْسَانٍ ،ذٰلِکَ تَخْفِیْفٌ مِّنْ رَّبِّکُمْ وَرَحْمَةٌ ،فَمَنِ اعْتَدٰی بَعْدَ ذٰلِکَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِیْمٌ (البقرة ۱۷۸)

اے ایمان والو! تم پر (قانون) قصاص فرض کیا جاتا ہے مقتولین (بقتلِ عمد) کے بارے میں (یعنی ہر) آزاد آدمی (قتل کیا جائے ہر دوسرے) آزاد آدمی کے عوض میں ،اور (اسی طرح ہر) غلام (دوسرے ہر) غلام کے عوض میں ،اور (اسی طرح ہر) عورت (دوسری ہر) عورت کے عوض میں (گویہ قاتلین بڑے درجہ کے اور مقتولین چھوٹے درجہ کے ہوں جب بھی سب کو برابر سمجھ کر قصاص لیا جائے گا یعنی قاتل کو سزا میں قتل کیا جائے گا) ہاں جس (قاتل) کو اُس کے فریق (مقدمہ) کی طرف سے کچھ معافی ہوجائے (مگر پوری معافی نہ ہو) تو (اس سے سزائے قتل سے تو بری ہو گیا لیکن دیت یعنی خون بہا کے طور پر ایک معین مقدار سے مال بذمہ قاتل واجب ہوجائے گا، تو اس وقت فریقین کے ذمہ ان دو امر کی رعایت ضروری ہے، مدعی یعنی وارثِ مقتول کے ذمہ تو) معقول طور پر (اس مال کا) مطالبہ کرنا (کہ اُس کو زیادہ تنگ نہ کرے) اور (مدعا علیہ یعنی قاتل کے ذمہ) خوبی کے ساتھ (اس مال کا) اس (مدعی) کے پاس پہنچا دینا (کہ مقدار میں کمی نہ کرے، خوانخواہ ٹال مٹول نہ کرے) یہ (قانون دیت وعفو) تمہارے پروردگار کی طرف سے (سزا میں) تخفیف ہے اور (شاہانہ) ترحم ہے (ورنہ بجز سزائے قتل کے کوئی گنجائش ہی نہ ہوتی) پھر جو شخص اس (قانون) کے (مقرر ہوئے) بعد تعدی کا مرتکب ہو (مثلاً کسی پر جھوٹا یا اشتباہ میں دعوی قتل کا کردے یا معاف کر کے پھر قتل کی پیروی کرے) تو اس شخص کو (آخرت میں) بڑا دردناک عذاب ہوگا۔ (بیان القرآن: ۱/۱۰۰)

حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے اس ترجمہ مع تفسیر سے سب عیاں ہوگیا، کہ اللہ تعالی نے دونوں فریقوں کو ہدایات فرمائیں کہ مدعی یعنی وارثِ مقتول کے ذمہ یہ ہے کہ معقول طور پر اس مال کا مطالبہ کرے کہ

اُس کو زیادہ تنگ نہ کرے یہ **فاتباع بالمعروف** کی مراد ہے، اور مدعا علیہ یعنی قاتل کے ذمہ یہ ہے کہ خوبی کے ساتھ وہ مال اس مدعی کے پاس پہنچا دے کہ مقدار میں کمی نہ کرے، خوامخواہ ٹال مٹول نہ کرے، یہ **اداء الیہ باحسان** ہے۔

امام رازی رحمہ اللہ بھی "**فاتباع بالمعروف**" کا یہی مطلب بیان کرتے ہیں:

الاتباع بالمعروف ان لایشددبالمطالبة بل یجری فیھاعلی العادة المألوفة فان کان معسرافاالنظرة وان کان واجدالعین المال فانه لایطالبه بالزیادة علی قدرالحق وان کان واجدالغیرالمال الواجب فالامھال الی ان یتاع ویستبدل وان لایمنعه بسبب الاتباع عن تقدیم الاھم من الواجبات (تفسیرالرازی ۲۲۸/۵)

معروف طریقے سے پیروی یہ ہے کہ مطالبہ میں شدت نہ اپنائے، بلکہ محبت کے طریقہ کو اختیار کرے، چنانچہ اگر وہ تنگ دست ہو تو مہلت دے، اور اگر اُسے عین مال مل رہا ہو تو حق سے زیادہ نہ مانگے، اور اگر واجب مال کے سوا مال اس کے پاس ہو تو اُس کو بیچنے اور تبدیل کر لینے تک کی مہلت دے، اور اِس پیروی کے سبب اُس کو دوسرے اہم ضروریات کو ترجیح دینے سے نہ روک لے۔

معلوم ہوا کہ "**فاتباع بالمعروف**" میں معروف سے مراد ہر علاقے اور ہر دور کا رواج مراد نہیں ہے جیسا کہ اصلاحی و غامدی صاحب سمجھے ہیں، بلکہ اچھے انداز سے دیت وصول کرنا مراد ہے۔

آیت دیت سے مغالطہ:

سورہ نساء کی آیت جس میں قتل خطا پر دیت کا ذکر ہے اور لفظ "**فَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ**" ہیں، اُس کو ذکر کر کے غامدی صاحب لکھتے ہیں:

"لفظ **دیة** اس آیت میں نکرہ استعمال ہوا ہے، اسم نکرہ کے بارے میں ہم جانتے ہیں کہ اپنے معنی کی تعیین کے لئے یہ لغتِ عرب اور سیاق کلام کی دلالت کے سوا کسی چیز کا محتاج نہیں ہوتا...... گویا عربیت کی رُو سے متکلم اگر اُس چیز کا ذکر جسے واجب ٹھہرایا گیا ہے اسم نکرہ کی صورت میں کرے گا تو اس کے معنی ہی یہ ہوں گے کہ اُس نے ہمیں اس معاملے میں عُرف کی پیروی کا حکم دیا ہے، پھر اسمِ نکرہ کی دلالت چوں کہ تعمیم پر ہوتی ہے، اس وجہ سے سیاقِ کلام میں کوئی چیز اگر مانع نہ ہوگی تو اس اسم کے سارے مسمی بغیر کسی تعیین و تخصیص کے اس کے دائرہ اطلاق میں شامل سمجھے جائیں گے، چنانچہ آیہ زیر بحث میں **دیة** کے معنی ہیں وہ شے جو دیت کے نام سے معروف ہے، اور **دیة مسلّمة الی اھله** کے الفاظ حکم کے جس منشا پر دلالت کرتے ہیں وہ اس کے سوا کچھ نہیں کہ مخاطب کے عرف میں جس چیز کا نام دیت ہے وہ مقتول کے ورثہ کے سپرد کر دی

جائے۔(برہان:۱۰،۱۱)

جواب:

اس بات سے قطع نظر کہ آیت میں **دیة** نکرہ ہے،اور نکرہ میں یہ اصول ہے اور وہ اصول ہے، اتنی بات تو صاف ہے کہ آیت میں مذکور دیت کی مراد تو اہل عرب صحابہ سمجھتے تھے، کہ قاتل کے ذمہ جو رقم لگائی جائے وہ دیت ہے،لیکن اُس کی مقدار تو فقط لفظ **دیة** سے سمجھ نہیں آسکتی تھی،تو آیت دیت کی مقدار کے بیان میں مبہم ہے، جس میں یہ احتمال بھی ہے کہ وہی دیت مراد ہو جس کا اُس وقت رواج تھا،اور یہ بھی احتمال ہے کہ اسلام اُس مروجہ مقدار کے بجائے کسی خاص مقدار کا حکم دے،اِس لئے دیت کی مقدار کا بیان نبی کریم ﷺ کے عمل اور زبان سے واضح کرایا گیا، جیسے **اقیموا الصلوۃ ،اٰتوا الزکوۃ** وغیرہ احکام میں تفصیل نبی کریم ﷺ کے حوالے کی گئی۔

علامہ ابن حزم ظاہری رحمہ اللہ (م ۴۵۶ ھ) فرماتے ہیں:

ولم یبین لناتعالی فی القرآن مقدارتلک الدیة لکن وکّل تعالی ذالک الی بیان رسولہ ﷺ ففعل علیہ الصلاة والسلام فبین لنا ﷺ ان دیة من خرج الی الدنیافقتل مائة من الابل فی الخبر الثابت اذودی بذالک عبداللہ بن سھل رضی اللہ عنہ ،وبین لناعلیہ الصلاة والسلام ان دیة الجنین بنص لفظہ علیہ الصلاة والسلام غرة من العبید اوالاماء.

(المحلی ۱۱/۲۳۷)

اللہ تعالی نے قرآن میں ہمارے لئے اُس دیت کی مقدار بیان نہیں کی ، بلکہ اُس کو بیانِ رسول ﷺ کے حوالے کیا،تو آپ ﷺ نے ہمارے سامنے بیان فرمایا کہ جو دنیا میں آیا اور پھر قتل کیا گیا اُس کی دیت سو اونٹ ہے، یہ آپ ﷺ کا بیان ثابت حدیث میں ہے،اس لئے کہ آپ ﷺ نے حضرت عبداللہ بن سہل رضی اللہ عنہ کی یہی دیت دی ہے، ایسے ہی آپ ﷺ نے ہمارے سامنے یہ بیان فرمایا کہ جنین (عورت کے پیٹ کے بچے) کی دیت **غُرّہ** ہے یعنی غلام یا باندی۔

امام بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

قال الشافعی رحمہ اللہ فاحکم اللہ جل ثناء ہ فی تنزیل کتابہ ان علی قاتل المؤمن دیة مسلمة الی اھلہ ،وابان علی لسان نبیہ ﷺ کم الدیة.

(معرفة السنن والآثار ۱۲/۹۹)

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: اللہ تعالی نے اپنی کتاب میں یہ فیصلہ دیا کہ مؤمن کے قاتل

پر دیت ہے جو اُس مقتول کے گھرانے کے حوالے کی جائے گی، اور اللہ تعالی نے نبی ﷺ کی زبانی واضح فرمایا کہ دیت کی کتنی مقدار ہے؟

نبی کریم ﷺ کا انداز بیان بھی بعض حدیثوں میں ایسا ہے جو واضح کرتا ہے، کہ غامدی صاحب یہ غلط کہتے ہیں کہ حضور ﷺ نے محض عرب کے دستور کے طور پر سو اونٹ مقدار بیان کی ہے، اور صحیح یہ ہے کہ آپ ﷺ نے ہمیشہ کے لئے بطور شرعی حکم کے بیان فرمائی ہے، چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمرو، وعبداللہ بن عمر، عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم سے روایت ہے:

انّ رسول اللہ ﷺ خطب الناس یوم الفتح فقال الاانّ دیة الخطأشبه العمدماکان بالسوط اوبالعصامائة من الابل (ابو داؤد ۴۵۴۷، ۴۵۸۸، السنن الکبری للبیهقی ۱۶۱۱۷، مسنداحمد ۵۸۰۵)

رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ والے دن خطبہ ارشاد فرمایا، اور فرمایا خبردار بیشک قتلِ خطا کی شبہ عمد جو کوڑے یا لاٹھی سے ہو جائے اُس کی دیت سو اونٹ ہیں۔

حضرت قتادہ رحمہ اللہ سے مرسل حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا **دیة الخطأ مائة بعیر (مصنف ابن ابی شیبة ۲۶۷۳۰)** قتل خطا کی دیت سو اونٹ ہے.

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: **قضی رسول اللہ ﷺ فی دیة الخطأعشرین بنت مخاض وعشرین ابن مخاض ذکراوعشرین ابنة لبون وعشرین حقة وعشرین جذعة (مسنداحمد ۴۳۰۳، ابن ماجه ۲۶۳۱، ابو داؤد ۴۵۴۵)** قتل خطا کی دیت میں رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا ہے سو اونٹوں کا ۲۰ بنت مخاض ۲۰ ابن مخاض، ۲۰ بنت لبون ۲۰ حقہ، ۲۰ جذعہ۔

اس حدیث میں لفظ **قضی** کے دونوں معنی ہو سکتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فیصلہ دیا، یا آپ ﷺ نے حکم دیا۔

حضرت عمرو بن شعیب سے عن ابیہ عن جدہ روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **من قتل خطأفدیته مائة من الابل الخ (الخلافیات للبیهقی ۷٫۷ ۱)** جو قتل خطا سے قتل کیا گیا ہو اُس کی دیت سو اونٹ ہے۔

ظاہر ہے کہ قرآن مجید کی اخبار سے مقصود بھی انشاء ہے، ایسے ہی رسولُ اللہ ﷺ کے فرامین میں بھی اخبار سے انشاء مقصود ہے، اور جب اللہ و رسول کی اخبار میں بھی انشاء مقصود ہے تو **فدیة** کا معنی ہوگا **"دُوْادِیَةً مسلّمةً الی اهله"** دیت ادا کرو، وہ جو حوالے کی جائے مقتول کے وارثوں کے، اور رسول کریم ﷺ کے

فرامین میں بھی یہی معنی ہوگا''**دیة الخطأمائة من الابل**'' یعنی ''**دُوْادية الخطأمائةً من الابل**'' قتل خطا کی دیت سواونٹ ادا کرو، یہ اللہ تعالی اور رسول اللہ ﷺ کی طرف سے حکم ہے،اور حکم کی پوری تعمیل مؤمن کے ذمہ ہے نہ کہ ادھوری،اور پوری تعمیل یہ ہے کہ جیسے نفسِ دیت کا حکم ماننا ہے،ایسے ہی مقدارِ دیت کا حکم بھی ماننا ہے،جیسا کہ جناب بھی لکھ رہے ہیں:

''دیت کا قانون اسلام سے پہلے عرب میں رائج تھا،قرآن مجید نے قتل خطا اور قتل عمد دونوں میں اُسی کے مطابق دیت ادا کرنے کا حکم دیا ہے۔''

تو آنجناب ''اُسی کے مطابق'' کے بجائے ''اُسی کے مخالف'' کیوں موقف اپناتے ہیں؟ یہود کی طرح ''**اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتَابِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ**'' کا مصداق بننا اور نفسِ دیت ماننا اور مقدارِ دیت میں اُسے اعراض مؤمن کی شان نہیں۔

آخر میں امام ابن العربی مالکی (م۵۴۳ھ) رحمہ اللہ کا حوالہ پیش خدمت ہے:

الدية مائة من الابل فى تقدير الشريعة وباجماع الامة ،فان عدمت الابل فاختلف العلماء فقال مالک من الدراهم على اهل الورق اثناعشرالف درهم ومن الذهب الف دينار،وليست فى غيرهما،وقال ابوحنيفة عشرة آلاف درهم وقال الشافعى الواجب منه الابل كيف تصرفت ،فانهاالاصل ،فاذاعدمت وقت الوجوب فحينئذ ينظرفى بدلهاوهوالقيمة بحساب الوقت كمافى كل واجب فى الذمة يتعذراداء ه.

(احکام القرآن ۱/ ۶۰۰)

دیت سواونٹ ہیں یہ شریعت کا مقرر کیا ہوا حکم ہے،اوراجماعِ امت سے ثابت ہے،البتہ جب اونٹ نہ ہوں تو علماء کا اختلاف ہے،امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں چاندی کے مالکوں پر بارہ ہزار درہم اور سونے کے مالکوں پر ہزار دینار ہے،اور اِن کے سوا چیز کی صورت میں دیت ادا نہیں کی جائے گی،امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں دس ہزار درہم ہیں،امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں واجب تو اونٹ ہی ہیں جیسے کیسے ہو،کیوں کہ وہی اصل دیت ہے،لیکن جب وہ لازم ہوتے وقت نہ ہوں اُن کا عوض سوچا جائے یعنی وقت کے حساب کے مطابق اُن کی قیمت،جیسا کہ ذمہ میں کچھ واجب ہوجائے اور اُس کی ادائیگی ممکن نہ ہو تو اُس کی قیمت ادا کی جاتی ہے۔

ہمارے احناف کے ہاں بھی یہی مختار قول ہے،صاحبین تقریباً یہی فرماتے ہیں۔



تصویر کا مسئلہ:

غامدی صاحب لکھتے ہیں:

’’چوتھی چیز یہ ہے کہ کسی حدیث کا مدعا متعین کرتے وقت اس باب کی تمام روایات پیش نظر رکھی جائیں، بارہا ایسا ہوتا ہے کہ آدمی حدیث کا ایک مفہوم سمجھتا ہے ،لیکن اسی باب کی تمام روایتوں کا مطالعہ کیا جائے ،تو وہ مفہوم بالکل دوسری صورت میں نمایاں ہو جاتا ہے ،اس کی مثال تصویر سے متعلق روایتیں ہیں ،ان میں سے بعض کو دیکھیئے تو بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ ہر قسم کی تصاویر ممنوع قرار دی گئی ہیں ،لیکن تمام روایتیں جمع کیجیئے تو یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ ممانعت کا حکم صرف اُن تصویروں کے بارے میں ہے جو پرستش کے لئے بنائی گئی ہوں۔(میزان:۶۴،۶۵)

جواب:

حضرت ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ اُنہوں نے ایک سرخ کپڑا خریدا جس میں تصویریں تھیں ،جب رسول اللہ ﷺ نے دیکھا دروازے پر ٹھہر گئے ،اور اندر نہ آئے ،میں نے حضور ﷺ کے چہرہ پر ناپسندیدگی دیکھی تو عرض کیا یا رسول اللہ میں اللہ ورسول کے سامنے توبہ کرتی ہوں ،فرمائیں میں نے کیا قصور کیا؟ فرمایا یہ کیسا تکیہ ہے؟ میں نے عرض کیا یہ میں نے اس لئے خریدا تا کہ آپ اِس پر بیٹھیں اور اِس پر ٹیک لگائیں ،رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اِن تصویروں والوں کو تصویروں کے سبب عذاب دیا جائے گا ،کہا جائے گا کہ جو تم نے بنائیں اِن کو زندگی دو ،اور فرمایا کہ جس گھر میں تصویر ہو اُس میں فرشتے داخل نہیں ہوتے۔(مسند احمد ۲۶۰۹۰،بخاری ۳۲۲۴)

دخل علی رسول اللہ ﷺ وقد استترت بقرام فیہ تماثیل فلمارآہ تلون وجھہ وھتکہ بیدہ الحدیث(مسند احمد ۲۴۵۸۲) رسول اللہ ﷺ میرے پاس تشریف لائے اور میں نے سرخ کپڑے کا پردہ کیا ہوا تھا جس میں تصویریں تھیں ،جب آپ ﷺ نے دیکھا چہرے کا رنگ بدل گیا اور اپنے ہاتھ سے اُس کو پھاڑ دیا ،اور فرمایا قیامت کے دن اللہ تعالی کے ہاں ان لوگوں کو سخت سزا ہوگی جو اللہ کی تخلیق کی مشابہت کرتے ہیں۔

ایک حدیث میں ہے کہ وہ تکیہ تھا جس میں تصویریں تھیں۔(مسند ابی داؤد الطیالسی ۱۵۲۸)

بتایئے! کیا حضرت عائشہ ایسا کپڑا گھر لے آسکتی ہیں (اور وہ بھی نبی کے گھر) جس میں پوجا کی جانے والی تصویریں ہوں؟ پوجا کی جانے والی تصویروں کو اردو میں مورتیاں کہتے ہیں اور وہ عموماً مٹی ،لکڑی پتھر وغیرہ سے تراشی ہوئی ہوتی ہیں ،تو یہ حدیث بتاتی ہے کہ پوجا نہ کی جانے والی تصویریں بھی جائز نہیں ہیں،

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد روایت کرتے ہیں کہ میرے پاس جبرئیل علیہ السلام آئے، اور فرمایا میں رات آپ کے پاس آیا تھا مگر جس گھر میں آپ تھے اُس گھر میں داخل ہونے سے یہ بات میرے لئے رکاوٹ بن گئی کہ کمرے میں مَردوں کی تصویریں تھیں، اور واقعی گھر میں (دروازے پر) ایک پردہ کپڑے کا تھا جس میں تصویریں تھیں، تو (فرمایا) کمرے میں جو تصویریں ہیں اُن کا سر کاٹ دینے کا حکم کر دو! (مسند احمد ۸۰۴۵، ترمذی ۲۸۰۶، ابن حبان ۵۸۵۴،)

یہ بھی رسول اللہ ﷺ کے گھر کا قصہ ہے، کیا آپ ﷺ کے گھر میں ایسی ہی تصویریں آ گئی تھیں جن کی پوجا کی جاتی؟

قال ابن عباس فان کنت لابدفاعلاً فاصنع الشجرومالاروح فیه.

(مشکوۃ ۴۴۹۸، بخاری، مسلم)

ویحک ان ابیت الاان تصنع فعلیک بهٰذاالشجروکل شیء لیس فیه روح.

(مشکوۃ ۴۵۰۷ بحوالہ بخاری)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں اگر تمہیں لازماً تصویریں بنانی ہی ہیں تو درختوں کی اور بے جان چیزوں کی تصویریں بناؤ، افسوس تجھ پر، اگر تو بنانا ہی چاہتا ہے تو اِس درخت کی بنا اور بے جان چیز کی بنایا کر۔

اس لیے غامدی صاحب کا نظریہ تصویر بھی درست نہیں لگتا۔

(جاری ہے۔۔۔)

☆......☆......☆......☆

درخواستِ دعا

-حضرت مولانا حافظ محمد عاصم سرگانہ شہید بن مہر حق نواز سرگانہ صاحب ساکن احمد پور سیال ضلع جھنگ مورخہ ۲۸ر فروری ۲۰۲۳ء مطابق ۷ر شعبان المعظم ۱۴۴۴ھ بروز منگل اچانک ٹریفک حادثہ میں شہید ہو گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مرحوم صوم وصلوۃ کے پابند، انتہائی صابر وشاکر اور خلیق وصالح انسان تھے۔ ادب اور خدمت میں بہت حریص تھے۔ اللہ تعالیٰ ان کے درجاتِ آخرت کو بلند کرتے ہوئے جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور لواحقین وپسماندگان کو صبر جمیل اور اجر جزیل عطا فرمائے۔ آمین

از: مولانا محمد اشفاق گھوٹوی، فاضل: جامعہ عمر بن خطاب ملتان

مفتی رب نواز حفظہ اللہ، احمد پور شرقیہ

غیر مقلدین اور شرک

تحفظِ شرک

ڈاکٹر شفیق الرحمٰن غیر مقلد لکھتے ہیں:

’’بے شک ان کتب کو شائع کرنے والے علماء اہلِ حدیث کی یہ زبردست غلطی ہے، اس طرح وہ شعوری یا لاشعوری طور پر تحفظِ شرک کر رہے ہیں کیوں کہ ان کے اس فعل سے شرک کے بوٹے (پودے) کو پانی مل رہا ہے۔‘‘ (اہلِ توحید کے لیے لمحہ فکریہ صفحہ ۱۴ مشمولہ رسائل اہلِ حدیث جلد دوم)

شرک پر چشم پوشی

ڈاکٹر شفیق الرحمٰن غیر مقلد اپنے زعم کے مطابق شرکیہ کتب شائع کرنے والے اہلِ حدیث علماء کے متعلق لکھتے ہیں:

’’دراصل علماء کے پاس ان کتب کے مطالعہ کا وقت ہی نہیں ہوتا بلکہ بعض اوقات چھاپنے والے بھی کتاب کا مکمل مطالعہ نہیں کرتے صرف نام دیکھ کر حُسنِ ظن کی بناء پر کتاب شائع کر دیتے ہیں۔ اگرچہ جان بوجھ کر ایسا کرنے والے بھی موجود ہیں۔ رہا تنقید کا معاملہ تو واقعی بعض علماء اہلِ حدیث اپنوں کے بارے چشم پوشی کا رویہ اختیار کرتے ہیں۔‘‘ (اہلِ توحید کے لیے لمحہ فکریہ: ۱۵ مشمولہ رسائل اہلِ حدیث جلد دوم)

شرکیہ کلام کی بلا تردید اشاعت

مولانا عبد العزیز نورستانی غیر مقلد بزعم خود شرکیہ کتابوں کو شائع کرنے والے علمائے اہلِ حدیث کے متعلق لکھتے ہیں: ’’ان کتابوں کو جن لوگوں نے طبع فرمایا اور اس قسم کے شرکیہ کلام جو مسلک اہلِ حدیث کے سراسر خلاف ہے کو بلا تعلیق وتردید چھپوا کر شائع کیا ہے قابلِ مذمت ہے۔ ان کو اس گناہ سے توبہ کر کے اپنی توبہ کا اعلان کرنا چاہیے۔‘‘ (اہلِ توحید کے لیے لمحہ فکریہ صفحہ ۱۵ مشمولہ رسائل اہلِ حدیث جلد دوم)

اُن لوگوں کی توبہ کا اعلان برس ہا برس گزرنے کے باوجود ہمارے سامنے نہیں آ سکا۔ کسی غیر مقلد کے علم میں ہو تو ہمیں مطلع کرے۔

عقیدہ شرک کے حاملین

ڈاکٹر شفیق الرحمٰن غیر مقلد نے اَز خود بریلویوں کی طرف سے سوال اُٹھایا:

''آپ ان نظریات کی بناء پر ہمارے علماء کو عقیدہ شرک کا حامل کہتے ہیں مگر جب یہی نظریات آپ کا عالم اپنائے تو وہ اکابر اہلِ حدیث میں شمار ہوتا ہے اس بے انصافی کی کیا وجہ ہے؟''

پھر ڈاکٹر صاحب نے اس سوال کا جواب یا بالفاظ دیگر بزعم خود یوں انصاف کا برتاؤ کیا:

'' قانون عام ہے شرک کرنے والا چاہے مکہ کا مشرک ہو، آج کا کلمہ گو ہو یا ہمارا عالم ہو اس پر جنت حرام ہے۔''(اہلِ توحید کے لیے لمحہ فکریہ صفحہ ۱۲ مشمولہ رسائل اہلِ حدیث جلد دوم)

شرکیہ نظریہ

ڈاکٹر شفیق الرحمٰن غیر مقلد بریلویوں کے مذکورہ بالا سوال کا جواب دیتے ہوئے مزید لکھتے ہیں:

''اگر علامہ وحید الزمان صاحب نے شرکیہ نظریہ اپنایا ہے اور توبہ بھی نہ کی ہو تو اُن کا اہلِ حدیث ہونا ان کو اللہ کے عذاب سے کیسے بچا سکے گا جو شخص ان کو شرک سمیت مسلم مانتا ہے وہ اللہ کا قانون توڑتا ہے وہ دین اسلام کا حامی نہیں بلکہ مخالف ہے۔''(اہلِ توحید کے لیے لمحہ فکریہ صفحہ ۲۳ مشمولہ رسائل اہلِ حدیث جلد دوم)

ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں:''علامہ وحید الزمان پر کئی دَور آئے، ان کا آخری دَور مسلک اہلِ حدیث کے مطابق تھا۔''(اہلِ توحید کے لیے لمحہ فکریہ صفحہ ۱۳ مشمولہ رسائل اہلِ حدیث جلد دوم)

وحید الزمان صاحب کے جس عقیدہ کو ڈاکٹر صاحب شرکیہ قرار دے رہے ہیں وہ آخری زمانے والا ہی ہے لہٰذا اس کے بعد انہوں نے توبہ کی ہو اسے ثابت کرنا ڈاکٹر صاحب اور دیگر غیر مقلدین کی ذمہ داری ہے۔

شرکیہ مسائل

علیم ناصری غیر مقلد نے ڈاکٹر شفیق الرحمٰن غیر مقلد کی کتاب ''اہلِ توحید کے لیے لمحہ فکریہ'' پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا:

''وہ [مخالف (ناقل)] لوگ ہمارے بعض علماء سابقین کی کتابوں میں پائے جانے والے بعض شرکیہ مسائل کو اُٹھاتے ہیں مثلاً علامہ وحید الزمانؒ کی کتاب '' **ھدیۃ المھدی** '' کے مطابق نورِ محمدی کا وجہ تخلیق عالم ہونا۔ نواب صاحب کی کتاب ''**مسک الختام** '' کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حاضر وناظر ہونا۔ اُس دَور کے بیشتر اہلِ حدیث علماء کا تصوّف اور وحدۃ الوجود کا قائل ہونا وغیرہ۔''

(الاعتصام لاہور ۹ رستمبر ۱۹۸۸ء بحوالہ اہلِ توحید کے لیے لمحہ فکریہ صفحہ ۸)

شرکیہ عقائد کی سرپرستی

مولانا عبدالرحمٰن کیلانی غیر مقلد لکھتے ہیں:

’’شرکیہ عقائد کی سرپرستی کا حق جس قدر فرقہ بریلویہ نے ادا کیا ہے کسی نے کم کیا ہوگا ...ہمیں افسوس ہے کہ اہلِ حدیث بھی اس میدان میں پیچھے نہیں رہے حصہ رسدی انہوں نے بھی یہ حق ادا کر ہی دیا۔‘‘

(روح، عذابِ قبر اور سماع موتی:۵۷)

شرکیہ نعرے

پروفیسر عبداللہ بہاول پوری غیر مقلد اپنے ایک مضمون’’ قائدین اہلِ حدیث ذرا سوچیے!‘‘ میں اپنی جماعت کے متعلق لکھتے ہیں:

’’جماعت میں بے دینی بھی بہت آ گئی ہے تصویریں کھنچانا، مسجدوں میں فلمیں تیار کرنا اور فلمیں دکھانا اَب کوئی بُرائی نہیں سمجھی جاتی۔شرکیہ نعرے لگانا اور شیعہ سنی بھائی بھائی کے نعرے لگانا، اپنوں سے دشمنی اور غیروں سے میل جول کرنا...اَب معمول بن گیا ہے۔‘‘(رسائل بہاول پوری صفحہ ۶۰۴)

شرک چھوڑنے سے انکار

شیخ عنایت اللہ اثری غیر مقلد نے غرباء اہلِ حدیث کے’’امام‘‘مولوی عبد الوہاب سے اپنی ملاقات کا حال بیان کرتے ہوئے لکھا:

’’میں نے مولوی عبدالوہاب صاحب کے گھر پہنچ کر ملاقات کی موصوف نے...الفت بھری باتیں کیں اور پھر مل کر کام کرنے کی دعوت دی تو میں نے شرکیہ جھاڑ پھونک کے ترک کرنے کی شرط لگائی جسے پہلے تو موصوف نے منظور فرمایا۔ پھر نہ معلوم کہ کیا سوچا صاف انکار کر دیا۔‘‘

(**العطر البلیغ** صفحہ ۴۷، مشمولہ رسائل اہلِ حدیث جلد دوم)

شرک کا دروازہ

مولانا محمد جونا گڑھی غیر مقلد نے غربائے اہلِ حدیث کے متعلق جلی عنوان سے لکھا:

’’امام غرباء اور اُن کے مریدوں نے شرک کا دروازہ کھول رکھا ہے۔‘‘

(ظلِ محمدی صفحہ ۲۰ مشمولہ رسائل اہلِ حدیث جلد اول)

شرکیہ منتروں جنتروں سے دم جھاڑا

مولانا محمد جونا گڑھی غیر مقلد نے غرباء اہلِ حدیث کے ایک خطرناک مسئلہ کی نشاندہی کرتے ہوئے لکھا:

’’خطرناک مسئلہ ان کا شرکیہ منتروں جنتروں سے دم جھاڑہ کرنے کا ہے۔یہ فرقہ اس میں مولوی عبدالوہاب صاحب صدری اور ان کے لڑکے مولوی عبد الستار کا پیرو ہے۔مولوی عبدالوہاب صاحب اپنی

زندگی میں کافی عرصے تک اس کی اشاعت کرتے رہے، آخر بغیر توبہ کے فوت ہو گئے۔''

(ظل محمدی صفحہ ۲۰ مشمولہ رسائل اہلِ حدیث جلد اول)

الفاظِ مشرکانہ

مولانا محمد جونا گڑھی غیر مقلد مذکورہ عبارت کے متصل بعد لکھتے ہیں:

''ان کے بعد ان کے صاحب زادے مولوی عبد الستار کی بھی یہ ہی رَوِش ہے لہٰذا آپ مولوی صاحب اور کے صاحب زادے کے ''الفاظِ مشرکانہ'' ان کے صحیفہ سے پڑھیں۔''

(ظل محمدی صفحہ ۲۰، ۲۱ مشمولہ رسائل اہلِ حدیث جلد اول)

شرکیہ دم

جونا گڑھی صاحب مذکورہ عبارت کے متصل بعد ''الفاظِ مشرکانہ'' کے ثبوت میں صحیفہ اہلِ حدیث کی عبارت پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''یہ ایک سوال قائم کر کے پھر اس کا جواب خود ہی لکھتے ہیں: س نمبر ۱۹۰: شرکیہ الفاظ سے سانپ و کتے وغیرہ کے کاٹے ہوئے پر دم کرنا جائز ہے یا نہیں؟

ج نمبر ۱۹۰: بہتر تو نہیں، ہاں اگر کسی مسلمان کی خیر خواہی کے لیے بوقت مجبوری و ضرورت کر بھی دے، تو کوئی مضائقہ نہیں **لقوله عليه السلام من استطاع ان ينفع اخاه فليفعل** (فتح) الخ۔''

(صحیفہ ماہ رمضان ۴۵ھ بحوالہ ظل محمدی صفحہ ۲۱، مشمولہ رسائل اہلِ حدیث جلد اول)

شرک پر تثلیث کا اتفاق

جونا گڑھی نے مذکورہ بالا سوال جواب نقل کرنے کے بعد یوں تبصرہ کیا:

''اس صحیفہ کے ٹائیٹل پر مولوی عبد الوہاب کے دستخط بحیثیت مالک رسالہ، و مولوی عبد الجلیل کے دستخط بحیثیت ایڈیٹر کے ثبت ہیں اور مولوی عبد الستار کے دستخط بحیثیت مفتی کے اس طرح ہیں: مفتی ابو محمد عبد الستار **غفرله الغفار المهاجرى**'' اس صورت سے یہ تینوں اس شرکیہ دم جھاڑے پر متفق اور شریک ہیں۔''

(ظل محمدی صفحہ ۲۱ مشمولہ رسائل اہلِ حدیث جلد اول)

شرک کی لعنت

جونا گڑھی نے صحیفہ اہلِ حدیث کے مذکورہ بالا فتویٰ پر مزید تبصرہ کرتے ہوئے لکھا:

''جب یہ فتویٰ عوام کے سامنے آیا، اور لوگوں نے پڑھا تو مولوی عبد الوہاب سے لوگوں نے کہا کہ اہلِ حدیث اور شرک؟ کیا قرآن مجید کی آیات اور احادیث کی دعائیں اور علاج معالجے سے مار گزیدہ اور

کتے، اور بچھو کے کاٹے ہوئے اور جادو لگے ہوئے کے لیے دم کرنا کافی نہیں، جس سے جناب کو شرک کی لعنت اختیار کرنی پڑی؟"(ظل محمدی صفحہ ۲۱ مشمولہ رسائل اہلِ حدیث جلد اول)

شرکیہ دم جھاڑہ

امام غربائے اہلِ حدیث مولانا عبدالوہاب لکھتے ہیں:

"سانپ، بچھو، کتے وغیرہ زہریلے جانوروں کے کاٹے ہوئے پر شرکیہ الفاظ سے غیر مسلم یا مسلم (جس کو زمانہ جاہلیت سے کوئی رقیہ یاد ہے) دم جھاڑہ کردے تو مضائقہ نہیں۔"

(صحیفہ اہلِ حدیث دہلی، جمادی الثانی ۱۹۴۶ء بحوالہ ظل محمدی صفحہ ۲۳)

شرکیہ الفاظ اور شنیعہ افعال

مولانا عبدالوہاب مزید لکھتے ہیں: "غور طلب یہاں پر یہ ہے کہ اس وقت تو جبرئیل علیہ السلام آئے اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو بتایا کہ فلاں جگہ جادو مدفون ہے لیکن آج، جب کہ جبرئیل علیہ السلام آکر ہمیں نہیں بتاتے تو لامحالہ جادوگر شرکیہ الفاظ اور شنیعہ افعال کرتے کراتے ہیں اور یہ چیز حرام ہے لیکن ایسی لاچاری مجبوری صورت میں جائز ہے۔"(صحیفہ اہلِ حدیث دہلی، جمادی الثانی ۱۹۴۶ء بحوالہ ظل محمدی: ۲۳)

شرکیہ جھاڑ پھونک

مولانا محمد جوناگڑھی نے صحیفہ اہلِ حدیث کی مذکورہ دونوں عبارتوں پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا:

"حضرات! آپ ان کی ان ہفوات کو غور سے ملاحظہ فرمائیں۔ مسلم اور غیر مسلم کو شرکیہ الفاظ سے جھاڑ پھونک کی اجازت دے رہے ہیں...(نیز) جادوگروں کو حضرت جبرئیلؑ کا رتبہ عطا فرمارہے ہیں۔"

(ظل محمدی صفحہ ۲۳ مشمولہ رسائل اہلِ حدیث جلد اول)

کلماتِ شرکیہ

مولانا محمد جوناگڑھی مزید لکھتے ہیں:

"جب مولوی عبدالوہاب کا تمرّد اس حد تک پہنچ گیا تو دہلی کے اہلِ حدیثوں کی طرف سے علمائے اہلِ حدیث کی خدمت میں مولوی عبدالوہاب کے یہ صحیفے پیش کئے گئے اور ان سے دریافت کیا گیا کہ ایسے شخص کے متعلق آپ حضرات فرمائیں کہ کیا صحیفے کی یہ عبارتیں **شرک باللہ** کے دروازے نہیں کھول رہیں؟ و نیز ایسے شخص کے متعلق آپ حضرات کا کیا فتویٰ ہے؟ جس پر علماء نے بالاتفاق فتوی دیا کہ: یہ کلمات شرکیہ اور کفریہ ہیں مولوی عبدلوہاب کو ان سے توبہ کرکے موحد ہونا چاہیے ورنہ ان سے مسلمان قطع تعلق کرلیں۔"

(ظل محمدی صفحہ ۲۴ مشمولہ رسائل اہلِ حدیث جلد اول)

مشرک ہونے کا فتویٰ

جونا گڑھی آگے لکھتے ہیں:

''جن علماء نے ان [امام غرباء اہلِ حدیث مولانا عبدالوہاب (ناقل)] کے متعلق مشرک ہونے کا فتوی دیا، اُن کے نام (یہ) ہیں۔ (۱) مولانا سید ابو الحسن صاحب نبیرہ حضرت میاں صاحب دہلویؒ (۲) مولانا عبدالرحمٰن صاحب مبارک پوریؒ (۳) مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ (۴) مولانا عبدالواحد صاحب غزنویؒ (۵) مولانا محمد داود صاحب غزنویؒ (۶) مولانا محمد اسماعیل گوجرانوالہ (۷) مولانا ابوالقاسم صاحب بنارسیؒ (۸) مولانا محمد یوسف صاحب فیض آبادیؒ (۹) مولانا احمد اللہ صاحب محدث دہلویؒ (۱۰) مولانا شرف الدین صاحب محدثؒ (۱۱) مولانا محمد یونس صاحب قریشی دہلوی (۱۲) مولانا حافظ عبداللہ روپڑی (۱۳) مولانا عبدالتواب صاحب ملتانی (۱۴) مولانا محمد صاحب سورتیؒ پروفیسر جامعہ ملیہ (۱۵) مولانا عبد الوہاب صاحب آروی (۱۶) مولانا عبدالغفور صاحب غزنویؒ (۱۷) مولانا محمد حسین صاحب غزنویؒ (۱۸) مولانا عبیداللہ صاحب اٹاویؒ (۱۹) مولانا عبدالحکیم صاحب محدث نصیر آبادیؒ (۲۰) مولانا عبدالغنی جودھ پور والے (۲۱) مولانا حکیم حافظ عبیدالرحمٰن صاحبؒ عمر پوری وغیرہ۔ جن کی تعداد ۶۱ ہے، ملاحظہ ہو: متفقہ فتاوی علمائے اہلِ حدیث مطبوعہ آرمی پریس دہلی'' (ظل محمدی صفحہ ۲۵ مشمولہ رسائل اہلِ حدیث جلد اول)

شرکیہ عقائد پر موت

جونا گڑھی مذکورہ عبارت کے متصل بعد لکھتے ہیں:

''لیکن مولوی عبدالوہاب صاحب پر ان علماء کے فتووں کا کوئی اثر نہ ہوا اور اپنی مولویت پر اُتر آئے اور برابر شرک پر اَڑے رہے... آخر مولوی عبدالوہاب انہیں شرکیہ عقائد کا اَرمان لے کر بغیر توبہ فوت ہو گئے۔ اب اُن کے بعد ان کے صاحب زادے مولوی عبدالستار انہیں باتوں پر اَڑے ہوئے ہیں۔''

(ظل محمدی صفحہ ۲۶ مشمولہ رسائل اہلِ حدیث جلد اول)

شرک کی آواز

جونا گڑھی نے غرباء اہلِ حدیث کو نصیحت کرتے ہوئے لکھا:

''مولوی عبدالوہاب صاحب تو فوت ہو چکے، مگر مولوی عبدالستار اور اُن کے مریدوں کے لیے ابھی توبہ کا دروازہ کھلا ہوا ہے اگر ان میں خوفِ خدا ہے تو ان کو اور اُن کے مریدوں کو چاہیے کہ فوراً توبہ کر کے، اپنا توبہ نامہ صحیفہ میں شائع کر کے اعلان کر دیں کیوں کہ صحیفہ ہی سے شرک کی یہ آواز اُٹھی ہے لہٰذا اسی میں اعلانِ توبہ بھی ہو ورنہ جو وعیدیں بُت پرستوں اور گور پرستوں وغیرہ پر قرآن مجید میں موجود ہیں، ان سے یہ

کب بچ سکتے ہیں؟‘‘(ظل محمدی صفحہ ۲۸ مشمولہ رسائل اہلِ حدیث جلد اول)

شرکیہ تعویذ

امام خان نوشہروی غیر مقلد لکھتے ہیں:

’’اس موقع پر اجمال مذکور کی قدرے تفصیل ضروری معلوم ہوتی ہے اور وہ نوحہ ہے ہماری جماعت کے ایک عالم دین کے تمرّ دوطغیان کا،مولوی عبدالوہاب صاحب ملتانی اپنے وفورِ علم اور کثرتِ شذوذ درشذوذ کی وجہ سے کسی تعارف کے محتاج نہیں،ان کا آخری اجتہاد’’مسئلہ دم جھاڑہ‘‘ ہے شرکیہ منتروں سے یعنی یہ کہ مسموم ہو یا مریض،مارگزیدہ یا مصروع(ایّ من کان)شرکیہ الفاظ سے اس کو تعویذ یا دم کیا جاسکتا ہے۔‘‘

(تراجم علمائے حدیث ہند صفحہ ۱۸۳،مکتبہ اہلِ حدیث ٹرسٹ کراچی)

شرک ہائے جلی

امام خان نوشہروی مزید لکھتے ہیں:

’’مولوی عبدالوہاب اسی حسرت کو لے کر قبر میں جا سوئے اور ان کے بعد ان کے خلف الصدق حافظ عبدالستار صاحب اسی’’دم جھاڑہ‘‘ کا ارمان لئے بیٹھے ہیں مدعی توحید اور اس قسم کے شرک ہائے جلی!

الٰہی کیوں نہیں آتی قیامت ماجرا کیا ہے؟

ہمارے سامنے پہلو میں وہ دشمن کے بیٹھے ہیں‘‘

(تراجم علمائے حدیث ہند صفحہ ۱۸۳،مکتبہ اہلِ حدیث ٹرسٹ کراچی)

شرکیہ علاج

پروفیسر محمد مبارک غیر مقلد لکھتے ہیں:

’’شرکیہ منتر سے علاج کو عبدالوہاب صدری نے جائز لکھا ہے۔اس کی وجہ سے موصوف پر مشرک ہونے کا فتویٰ لگایا گیا۔‘‘(آئینہ غرباء اہلِ حدیث صفحہ ۱۴ مشمولہ رسائل اہلِ حدیث جلد دوم)

مشرکانہ عقیدہ

صحیفہ اہلِ حدیث میں لکھا ہے:

’’مولوی عبداللہ صاحب روپڑی نے کہا کہ سورج،چاند رسول اللہ(صلی اللہ علیہ وسلم)کے نور سے چمکتے ہیں ہم نے مولوی صاحب موصوف کو کہا کہ یہ مشرکانہ عقیدہ ہے۔نیز اس عقیدہ کی بابت علمائے کرام سے بھی استفسار کیا گیا انہوں نے بھی اس عقیدہ کے خلاف فتاویٰ دیئے۔‘‘

(صحیفہ اہلِ حدیث دہلی،محرم ۱۳۵۵ھ بحوالہ مظالم روپڑی صفحہ ۴۷)

صریح شرک

اخبار محمدی کے ایڈیٹر جناب محمد صاحب نے روپڑی صاحب کے متعلق لکھا:

’’یہ مولوی صاحب جھوٹے ہیں، بدعقیدہ ہیں، اسے علم دین بلکہ خود دین سے بھی مس نہیں۔ لہٰذا ایسے جہلاء کا ہم عقیدہ ہونا اپنا ایمان برباد کرنا ہے۔ یہ عقیدہ مشرکانہ عقیدہ ہے، اس کا یہ قول [چاند وسورج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نور سے روشن ہیں۔(ناقل)]صریح شرک ہے۔‘‘

(مظالم روپڑی صفحہ ۴۸ مشمولہ رسائل اہلِ حدیث جلد اول)

مشرک

مولانا احمد اللہ غیر مقلد (مدرس مدرسہ دار الحدیث رحمانیہ دہلی) لکھتے ہیں:

’’نور دینے والا سورج چاند وغیرہ میں اللہ سبحانہ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش سے پہلے چاند سورج اسی طرح روشن تھے جس طرح اب روشن ہیں۔ ان اوصاف مذکورہ غیر متناہی کے ساتھ اللہ پاک ہی موصوف ہے، دوسرا کوئی نہیں۔ شخص مذکور [مولانا عبد اللہ روپڑی غیر مقلد (ناقل)]مشرک ہے۔ اس سے پرہیز کرنا لازم ہے جو پرہیز نہیں کریں گے وہ دوزخی ہیں۔‘‘

(مظالم روپڑی صفحہ ۴۹ مشمولہ رسائل اہلِ حدیث جلد اول)

مولانا عبید اللہ غیر مقلد (مدرس مدرسہ زبیدیہ دہلی) لکھتے ہیں:

’’شخص مذکور فی السوال ملحد بددین ہے۔ ایسے عقیدہ فاسدہ سے ہر ایک مسلمان کو گریز کرنا لابدی ہے اور جو شخص [مولانا عبد اللہ روپڑی غیر مقلد (ناقل)] کے ہم خیال ہیں ان سے اجتناب کرنا واجب ہے کیوں کہ ایسے عقیدہ سے آدمی مشرک ہو جاتا ہے۔ ایسے عقیدہ والوں سے اللہ عزوجل ہر ایک مسلمان کو بچائے۔‘‘ (مظالم روپڑی صفحہ ۵۰ مشمولہ رسائل اہلِ حدیث جلد اول)

عقیدہ شرکیہ

مولانا عبید اللہ غیر مقلد لکھتے ہیں:

’’خالق آسمان وزمین سورج اور چاند تاروں کا اللہ تعالیٰ ہے...رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خالق اور رب نہیں ہیں۔ یہ اللہ کی صفتیں ہیں (اور) جو اللہ کی صفت میں رسول، نبی، ولی کو شریک کرے وہ مسلمان نہیں رہتا، مشرک ہو جاتا ہے، صورتِ مذکورہ سوال میں جس مولوی [عبد اللہ روپڑی غیر مقلد (ناقل)] کا ذِکر ہے، بے علم ہے، عقیدہ شرکیہ رکھتا ہے۔‘‘ (مظالم روپڑی صفحہ ۴۹ مشمولہ رسائل اہلِ حدیث جلد اول)

کھلم کھلا شرک

مولانا نور محمد غیر مقلد (مدرس مدرسہ اوڈاں) حافظ عبداللہ روپڑی پر فتوی لگاتے ہوئے لکھتے ہیں:

''جس عمرو، بکر، زید وغیرہ کا یہ عقیدہ ہے کہ رسول اللہ صلعم کے نور سے سورج چمکتا ہے نبی کے نور سے نور دیا گیا...الغرض جس شخص کا (بھی) یہ عقیدہ ہو وہ شخص کھلم کھلا مشرک ہے۔''

(مظالم روپڑی صفحہ ۵۱ مشمولہ رسائل اہلِ حدیث جلد اول)

پکا مشرک

مولانا محمد یوسف نجاوری غیر مقلد (مدرس مدرسہ اوڈاں) مولانا عبداللہ روپڑی غیر مقلد کے متعلق لکھتے ہیں: ''بلا شک وشبہ ایسا عقیدہ رکھنے والا شخص مرتد وملحد خارج عن الاسلام ہے اور پکا مشرک ہے، اس پر جنت حرام ہے...(جو) کسی نبی، ولی، بزرگ کی شان میں ایسا عقیدہ رکھتا ہے جو خدا واحد کی شان میں رکھتا تھا اور اس کو **منوِّر شمس و قمر** یا روشن ضمیر سمجھتا ہے تو واقعی فی الحقیقت ایسا شخص مشرک، مرتد اور اکفر ہے۔'' (مظالم روپڑی صفحہ ۵۱ مشمولہ رسائل اہلِ حدیث جلد اول)

عقیدہ مشرکانہ

مولانا عبدالرحمٰن منیجر صحیفہ اہلِ حدیث نے روپڑی صاحب کے متعلق لکھا:

''واقعی شخص مذکور شریعتِ محمدیہ کی رو سے مشرک، کافر، خارج عن الاسلام ہے چاہیے کہ **توبة النصوح** کرے ورنہ یاد رکھے کہ خاتمہ دین اسلام پر نہیں ہوگا یہود ونصاریٰ کی موت مرے گا۔ اگر شخص مذکور اس عقیدہ مشرکانہ کی کوئی تاویل فاسدہ کرے تو شریعت غرّ ہ کے نزدیک ہرگز معتبر نہیں۔''

(مظالم روپڑی صفحہ ۲۵ مشمولہ رسائل اہلِ حدیث جلد اول)

کفر وشرک کے مُجَوِّز

شیخ حمید اللہ غیر مقلد کہتے ہیں:

''فرقۂ امامیہ (جماعت غرباء اہلِ حدیث) کے عقائد کتاب وسنت اور سلف صالحین کے خلاف ہیں۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ کفر وشرک کے بھی **مُجَوِّز** ہیں اور قطعی حرام زنا...کے بھی **مُجَوِّز** ہیں، ان کے نزدیک ہندوؤں کے معبودوں کو کل غیر اللہ کو منتر شرک وکفر میں نداء دینا درست ہے، اللہ ورسول کو گالی دے کر منتر کرنا درست ہے، بھڑ بچھو کے ڈسے پر تپ دق، بنکم کا درد، درد گردہ وغیرہ میں منتر کفر وشرک درست ہے۔''

(صحیفہ اہل حدیث دہلی: ۱۳۵۷ھ ربیع الثانی صفحہ ۵)

''**مُجَوِّز**'' کا معنی ''جائز قرار دینے والا'' ہے۔

بریلویت اور شرک کی بُو

صحیفہ اہلِ حدیث میں لکھا ہے:

''اخبار ''تنظیم اہلِ حدیث'' روپڑ مجریہ یکم صفر ۶۰ھ مطابق ۲۸ فروری ۴۱ھ میں ''بہارِ مدینہ'' کے عنوان سے ایک نظم شائع ہوئی ہے...اس نظم کے مصرعوں سے بریلویت اور شرک کی بُو آتی ہے۔ اسی سبب سے اخبار الفقیہ امرتسر مجریہ ۲۲ تا ۲۹ صفر ۶۰ھ نے اپنے فاسد عقیدہ کی تائید کے لیے بڑے فخر وناز کے ساتھ اس نظم کو نقل کیا ہے۔'' (صحیفہ اہل حدیث دہلی: ۱۳۶۰ھ ماہ ربیع الآخر صفحہ ۱۵)

صحیفہ میں اس عبارت کے متصل بعد لکھا ہے:

''سچ تو یہ ہے کہ ناظم صاحب نے نظم مذکور میں بریلویوں کے بھی کتر ڈالے ہیں۔ بریلوی حضرات اکثر نیم کا سرمہ تیار واستعمال کرتے ہیں۔ مگر ناظم صاحب خاکِ مدینہ کا سرمہ لگانے کو تڑپ رہے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مزار دیکھنے کے لیے بے قرار ہیں۔'' [صحیفہ اہل حدیث دہلی: ۱۳۶۰ھ ربیع الآخر: ۱۷]

مشرکوں سے مصاحبت اور موانست

مولانا عبدالقادر حصاروی غیر مقلد لکھتے ہیں:

''غور اور فکر کریں کہ ہمارے سلف سچے، پکے غیرت مند اصلی اہلِ حدیث تھے یا آج کل کے خلف جو مشرکوں، کافروں، ملحدوں، اشراروں اور حرام کاروں سے مصاحبت وموانست اور قربانیوں میں شمولیت رکھتے ہیں...آج ہمارے علماء پہاڑوں برابر شرکوں، کفروں اور بدعتوں سے متنفر ہو کر ان کا ارتکاب کرنے والوں سے بیزار نہیں ہوتے ؎ **ببیں تفاوتِ راہ از کجا است تا کجا**''

(صحیفہ اہل حدیث ۱۳۹۰ھ ۱۶ر ربیع الثانی: ۱۸)

مشرکوں اور بدعتیوں کی طرح ہو گئے

مولانا عبدالقادر حصاروی غیر مقلد لکھتے ہیں:

''میں نے خود مشاہدہ کیا انقلاب ہند کے بعد جب لوگ ہجرت کر کے آئے تو جو اہلِ حدیث مشرکوں اور بدعتیوں میں مقیم ہوئے وہ انہی کی طرح ہو گئے اس لیے بعض محدثین نے یہ باب باندھے ہیں کہ اہلِ ہوا سے بغض اور مجانبت رکھے۔ آج مشرکوں سے میل جول رکھنے سے عقائد واعمال بدل گئے ہیں اور باہم شیر وشکر ہو رہے ہیں۔'' (صحیفہ اہل حدیث ۱۳۹۰ھ ۱۶ر ربیع الثانی صفحہ ۱۸)

اہلِ مدینہ نے کفریہ عقیدہ کی وجہ سے نبوی شہر سے خارج کر دیا

حصاروی صاحب لکھتے ہیں:

''موجودہ افراد خاندانِ لکھویہ کے بہت معمر اور بزرگ شخص مولانا محمد علی صاحب ہیں جو بہت طویل

عرصہ ملک حجاز عرب کے مدینہ منورہ میں قیام پذیر رہنے کی وجہ سے مدنی مشہور ہیں لیکن اب ان کو مدنی کہنا مناسب نہیں ہے کیوں کہ اہلِ مدینہ نے ان کو کفریہ عقیدہ کی وجہ سے نبوی شہر سے خارج کر دیا ہے اب وہ بزبان حال یہ شعر پڑھتے ہیں۔ ؎

نکلنا خلد سے آدم کا سنتے آئے ہیں لیکن بہت بے آبرو ہو کر تیرے مدینہ سے ہم نکلے''

(صحیفہ اہل حدیث ۱۳۹۰ھ جمادی الاولیٰ صفحہ ۱۷ رمطابق ۶ جولائی ۱۹۷۰ء شمارہ:۹)

غیر مقلدین صحیفہ اہلِ حدیث کو قرآن کا ترجمان کہتے ہیں۔صحیفہ میں شیخ عبدالعزیز قریشی کی نظم درج ہے جس میں صحیفہ اہلِ حدیث کی مدح ہے اس کا ایک شعر درج ذیل ہے:

''یہ مترجم ہے قرآں کا، حدیثوں کی حمایت ہے عمل اس کے موافق ہو خدا کی یہ ہدایت ہے''

(صحیفہ اہل حدیث دہلی: ۱۳۵۷ھ جمادی الاول صفحہ ۱۸)

کلامِ الٰہی کی بابت عقیدہ

عبداللہ روپڑی غیر مقلد لکھتے ہیں:

''مولوی ثناء اللہ کا کلام الٰہی کے متعلق عقیدہ ملحدانہ ہے۔''

(تنظیم ۲۲ دسمبر ۱۹۳۹ء بحوالہ مظالم روپڑی صفحہ ۱۶)

مولانا عبداللہ لائل پوری غیر مقلد لکھتے ہیں:

''حوالہ جات بالا سے صاف عیاں ہے کہ تلاوت وقرآت بمعنیٰ مصدری مخلوق ہیں اور بمعنیٰ مفعولی غیر مخلوق۔لیکن فاضل ایڈیٹر اہلِ حدیث [مولانا ثناء اللہ غیر مقلد (ناقل)] مفعولی معنی کو مخلوق خیال فرماتے ہیں۔ملاحظہ ہو مظالم روپڑی صفحہ:۱۶ **ھذا نصه** جو چیز لکھی اور پڑھی جاوے وہ مخلوق ہیں۔''

(صحیفہ اہل حدیث دہلی: ۱۳۶۰ھ ماہِ ربیع الاول صفحہ ۲۶)

شرک وبدعت پھیلانے کا طعن

مولانا عبدالقادر حصاروی غیر مقلد نے مولانا میر محمد ابراہیم سیالکوٹی غیر مقلد کی عبارت پر گرفت کرتے ہوئے لکھا:

''ان ناموں سے اس طرح توسل اور تبرک حاصل کرنے سے شرک اور بدعت پھیلتی ہے اور اہلِ بدعت کے خیالاتِ باطلہ اور عقائد فاسدہ کو تقویت پہنچتی ہے۔مولانا جیسے عالم اہلِ حدیث کی شان سے یہ بات بہت بعید ہے جس کے سبب سے مجھے تعجب ہو رہا ہے۔'' (فتاوی ستاریہ:۱۴۱/۳، ۱۴۲)

☆......☆......☆......☆

حمزہ احسانی

’’جامع مسجد جلال، راج گڑھ، لاہور‘‘ میں مولانا ظہیر احمد ظہیر کے زیرِ اہتمام منعقد ہونے والے

’’عقیدہ حیاتِ انبیاء سیمینار‘‘ کے موقع پر لکھی گئی تحریر

کیا آپ ایسی شخصیت کی زیارت کرنا چاہیں گے جس نے ایک سنی عقیدہ پر ۸۲/آیات قرآنیہ، ۱۴۴/احادیث مبارکہ، خیر القرون کی ۱۵۸/عبارات (۷۱/اَقوال صحابہ، ۶۵/اَقوال تابعین، ۲۲/اَقوال تبع تابعین) ۴۰۰/سے زائد علماء اُمت کی ۷۴۷/تحریرات، برصغیر کے ۵۰/سے زائد علماء اہل سنت کی ۴۵۴/تصریحات یکجا کر کے عقلوں کو حیران اور منکرین کو پریشان کر دیا؟

-کیا آپ ایسی ہستی کا بیان سننا چاہتے ہیں جس نے اکابر اہل سنت کے علوم کو مختصر اور آسان انداز میں جمع و مرتب کر کے موجودہ و آئندہ نسلوں پر احسان عظیم فرمایا؟

-کیا آپ ایسی ذاتِ شریفہ کی صحبت سے مستفید ہونا چاہتے ہیں جس کی سادگی، عاجزی، شفقت والفت اور درویشی نے بڑوں کی یاد تازہ رکھی؟

-کیا آپ ایسے عالم ربانی کی مجلس میں شرکت کرنے کے متمنی ہیں، جس کے علم کی اِس وقت اُمت مسلمہ کو اَشد ضرورت ہے؟

-کیا آپ ایسے ذہین انسان کی گفتگو سننے کے مشتاق ہیں جس کی ذہانت اسلام اور مسلمانوں کی خیر خواہی اور فائدے کے لیے استعمال ہو رہی ہے؟

-کیا آپ ایسے قابل سنی راہ نما کی خدمت میں حاضری کا شرف حاصل کرنا سعادت سمجھتے ہیں، جس نے مختلف سنی عقائد و اعمال کو دلائل سے مبرہن کر کے سنیت اور اہل سنت کے سر فخر سے بلند کر دیئے ہیں؟

اگر آپ کا جواب اثبات میں ہے تو آیئے! ۶/اکتوبر ۲۰۲۲ء بروز جمعرات کو ظہر کے وقت وہ ہستی لاہور شہر کی ایک مسجد میں ان شاء اللہ جلوہ افروز ہونے والی ہے۔

جی ہاں! میری مراد ماہر علوم عقلیہ ونقلیہ، استاذِ مکرم شیخ الحدیث والتفسیر مولانا منیر احمد منور دامت برکاتہم ہیں، جو ’’عقیدہ حیات انبیاء سیمینار‘‘ میں شرکت کے لیے تشریف لا رہے ہیں۔

آیئے! اہل اللہ کی مجلس میں شرکت کر کے اپنے قلوب واذہان کو علمی و روحانی سکون مہیا کیجیے!

☆......☆......☆......☆